OPEN ACCESS
Hazara Islamicus
ISSN (Online): 2410-8065
ISSN (Print): 2305-3283
www.hazaraislamicus.com

Hazara Islamicus, Vol.:13, Issue: 01, Jan-June 2024
PP: 17-42

منکرین حدیث پر سردار محمد عبدالقیوم خان کی تنقیدات

Sardar Muhammad Abd al-Qayyum Khan's Criticisms on the Denial of Hadith

Hussain Ahmed
PhD Scholar, Department of Islamic Studies
Al-Hamd Islamic University, Islamabad

Dr. Saleem Raza
Associate Professor, Department of Islamic Studies
Al-Hamd Islamic University, Islamabad

Abstract

Among the religious services of Sardar Muhammad Abdul Qayyum Khan, the book "Fitnah Ankar-e-Sunnah" is on the top of list, which has been published in five volumes. In this book, Sardar Abdul Qayyum Khan has presented his personal observations, experiences and analyzes related to denial of hadith in detail. In this article, a descriptive study of the basic discussions of that book has been presented. The materials related to Hadith Denial dispersed in the four volumes of "Fitnah Ankar-e-Sunnah" has been summarized and it has been organized in proper order shortly. Sardar Abd al-Qayyum has not ménage to qoute references in his book. In this article, they have been presented. In addition, Sardar Abdul Qayyum has not identified the sources of the objections of hadith denials. Along with this, in addition to the opinions of Sardar Abdul Qayyum, the counter narratives of important Muslim thinkers have also been presented in the answers and analytical parts of the article. Sardar Abdul Qayyum has presented details about the history of compilation of hadith, the authenticity of hadith and answers to the objections of the deniers of hadith. He has encouraged both the new generation and scholars to draw attention to this and face it on the academic front. In this context, he has also drawn attention to books that are engaged on the intellectual front against this group prevailing in Muslim societies.

Key Words *Islam, Hadith, Quran, Sunnah, Sardar Abdul Qayyum*

CC BY

تعارف

سردار محمد عبدالقیوم خان پاکستان کے ان نامور سیاست دانوں میں سے ایک تھے جنہوں نے آزاد جموں وکشمیر کی مسند اقتدار پر صدر کے منصب پر اپنی خدمات پیش کیں۔آپ کو اس اعتبار سے بھی مجاہد اول کا خطاب دیا گیا کہ آپ نے کشمیری کی تحریک آزادی کو فعال کرتے ہوئے بھارتی افواج کے خلاف پہلی گولی چلائی تھی۔آپ نے اس کے ساتھ ساتھ علمی و فکری حلقوں میں بھی اپنے تبحرِ علمی اور فکری تخلیقیت کی بناپر شہرت حاصل کی تھی۔ان کی دینی خدمات میں "فتنہ انکار سنت "کتاب سر فہرست ہے جو پانچ جلدوں میں منصہ شہود پر آچکی ہے۔اس کتاب میں سردار محمد عبدالقیوم خان نے انکار حدیث سے متعلق اپنے ذاتی مشاہدات، تجربات اور تجزیات کو شرح وبسط کے ساتھ پیش کررکھا ہے۔مقالہ ہذا میں "فتنہ انکار حدیث" کے اساسی مباحث کا توضیحی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔مقالہ ہذا میں " فتنہ انکار سنت" کی پانچ جلدوں میں منتشر انکار حدیث سے متعلق مواد کا اختصار کیا گیا ہے نیز اس کو منظّم اور مرتب انداز میں پیش کیا گیا ہے۔سردار عبدالقیوم نے اپنی کتاب میں روایات کے حوالہ جات پیش نہیں کیے ہیں۔ مقالہ ہذا میں ان کی تخریج کی گئی ہے۔اس کے علاوہ سردار عبدالقیوم نے منکرین حدیث کے اعتراضات کے مآخذ کی نشاندہی نہیں کی ہے، مقالہ ہذا میں توضیحی انداز میں ان مصادر کو بھی نمایاں کیا گیا جو انکار حدیث کے مکاتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔اس کے ساتھ منکرین حدیث کے اعتراضات کے جوابات میں سردار عبدالقیوم کی آراء کے علاوہ اہم مسلمان مفکرین کا جوابی بیانیہ بھی پیش کیا گیا ہے۔

فتنہ انکار سنت پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔

پہلی جلد میں ہدایت و گمراہی کے اسباب و اثرات، سنت کے انکار کا تاریخی پس منظر، سنت سے انکار کی تحریک، دین کی محافظت کا نظام، حدیث پر اعتراضات، حدیث کی اقسام، لفظ ظن از روئے قرآن، تاریخ تدوین حدیث، منکرین سنت کے نظریات کا جائزہ، حاصل کلام اور منکرین حدیث کے نظریات ایسے عنوانات پر بحث کی گئی ہے۔یہ جلد 300 صفحات پر مشتمل ہے ۔دوسری جلد میں ان آیات کو جمع کیا گیا ہے جن میں نبی اکرم ﷺ سے خطاب فرمایا گیا ہے۔یہ جلد صرف قرآنی آیات پر مشتمل ہے اور آیات کے تحت کسی قسم کا کوئی تفسیری شذرہ نہیں دیا گیا ہے۔ قارئین کو یہ بتایا گیا ہے کہ ان آیات کے شان نزول کو سمجھنے کے بغیر ان کا صحیح فہم ناممکن ہے اور شان نزول کے لیے نبی اکرم ﷺ کی سیرت و سنت کی طرف وجوع کرنا ناگزیر ہے۔یہ جلد 311 صفحات پر مشتمل ہے۔ تیسری جلد میں قرآن مجید کے تصور "یوم" اور تصور " خسارہ" کی توضیحات پیش کی گئی ہیں۔یہ جلد 111 صفحات پر مشتمل ہے۔چوتھی جلد تدوین حدیث کی تاریخ پر مشتمل ہے۔اس کے 155 صفحات ہیں۔پانچویں جلد میں وہ آیات شامل کی گئی ہیں جن میں احکام کا ذکر ہے اور سردار محمد عبدالقیوم خان نے یہ ثابت کیا ہے کہ ان آیات میں مذکور احکام کی تشریحات و توضیحات حدیث و سنت سے استفادہ کرنے کے بغیر ناممکن ہیں۔اس کے صفحات کی تعداد 733 ہے۔صدیقیہ پبلی کیشنز، فیصل آباد نے فتنہ انکار سنت کی تمام جلدیں 2014ء میں شائع کی تھیں۔

وجہ تصنیف

" فتنہ انکارِ سنت" کی تصنیف کے پیچھے مخصوص حالات واسباب کارفرما ہیں جن کی تفصیلات سردار محمد عبدالقیوم خان نے کتاب میں متعدد مقامات پر پیش کررکھی ہیں۔دراصل سال 1975ء میں سردار محمد عبدالقیوم خان کو پلندری جیل میں اپنی اسیری کے دوران پیر کرم شاہ صاحب الازہریؒ کی تصنیف "سنت خیر الانام" پڑھنے کا موقع ملا تھا اور سردار محمد عبدالقیوم خان کی

رائے ہے کہ اس کتاب کی جتنی بھی تعریف کی جائے وہ کم ہے۔ لیکن ایک عام آدمی کے لیے پیر صاحب کی کتاب مشکل ہے۔ نیز اس کتاب کے اندر مباحث و مندرجات میں سردار محمد عبد القیوم خان کو تشنگی بھی محسوس ہوئی تھی۔ لہٰذا اس میں مزید تفصیلات کو شامل کیا جا سکتا تھا۔ سنت خیر الانام میں موجود خلا کو محسوس کرتے ہوئے سردار محمد عبد القیوم خان کو محسوس ہوا کہ ایک ایسی کتاب کی تصنیف ہونی چاہیے جو موضوع سے متعلق جملہ مباحث پر مشتمل ہو[1]۔

"سنت خیر الانام پڑھنے کے دوران سردار محمد عبد القیوم خان کو 1942ء کے اپنے بیرونی سفر کے زمانے میں بعض غیر مسلموں کے ساتھ ملاقاتوں کا موقع ملا تھا۔ ان میں عیسائی، یہودی اور دیگر ادیان سے تعلق رکھنے والے افراد شامل تھے۔ یہ مکالمے اور گفت و شنید کے مواقع بھی سردار صاحب کو ایسی کتاب کی تصنیف کی ضرورت کا احساس دلاتے تھے جس میں حجیت حدیث و سنت پر تفصیلی مواد پیش کیا جا سکے۔ یہ احساس بھی " فتنہ انکار سنت " کا ایک اہم سبب ہے[2]۔

لیکن سردار صاحب کا خیال تھا کہ وہ علمی و فکری اعتبار سے اس مقام اور درجے کے حامل نہیں ہیں جو اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے ان کو اہل بنا سکے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے اندر اہلیت پیدا کرنے کے لیے موضوع سے متعلق کتابوں کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ یہ مطالعہ عمومی نوعیت کا نہیں تھا بلکہ ان کی کوشش یہی تھی کہ موضوع سے متعلق ان کو شرح صدر حاصل ہو جائے۔ اس میں کئی برس لگ گئے اور وہ حدیث سے متعلق اسلامی تراث کا مسلسل مطالعہ کرتے رہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ عملی طور پر دین وہی ہے جو رسول ﷺ سے چلا آیا تاہم اس کو خود قرآن کریم میں تلاش کرنا اولین ضرورت ہے[3]۔

مطالعہ کے اس زمانے میں سردار عبد القیوم کے ساتھ ایک خوش گوار واقعہ پیش آیا جس کے مطابق ایک روز وہ صبح کی نماز کے بعد تلاوت اور دوسرے وظائف سے فارغ ہو کر حسب معمول سو گئے تو خواب میں حجرۂ مبارکہ کے اندرون کا دیدار نصیب ہوا۔ ان کا کہنا ہے کہ اس کی زیبائش اور حسن و جمال کو بیان کرنا انسان کے بس کی بات نہیں اور بیان کرنا مناسب بھی نہیں۔ ان کے مطابق یہ بھی اتنی بڑی سعادت ہے کہ اسی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ممکن نہیں ہے[4]۔ چنانچہ وہ اس علمی و تحقیقی مہم کی تکمیل کے لیے پوری طرح کمر بستہ ہو گئے۔

قرآن مجید میں تفکر و تدبر کا اسلوب

سردار عبد القیوم نے اپنے قارئین کو بتایا ہے کہ میرے ذہن میں تحقیق کی ابتداء میں یہ سوال تھا کہ آخر سنت مبارکہ کی حیثیت دین میں کیا ہے؟ اس سوال کا تسلی بخش جواب تلاش کرنا میرے لیے ضروری تھا۔ اس مقصد کے لیے میں نے ان مقامات کو قرآن کریم کے حاشیے پر نشان زد کرنا شروع کیا۔ عجیب اتفاق یہ ہوتا تھا کہ ہر بار تلاوت کے دوران کسی نئی بات کا پتا چلتا تھا۔ ان ہی سالوں میں بتدریج ان آیات کو جن میں حضور ﷺ کو براہِ راست یا بالواسطہ خطاب کیا گیا ہے، نشان زد کرتا رہا۔ اس کام میں تقریباً تیس یا زائد سال لگے ہوں گے[5]۔

تیس برس کی کٹھن محنت کے باوجود سردار صاحب اپنی عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے یہ بھی لکھتے ہیں کہ میرے لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ آیا میں اس موضوع کا حق بھی ادا کر سکوں گا یا نہیں۔ نہ اس کا دعویٰ ہو سکتا ہے کہ میں علمی یا عملی طور پر کوئی بہتر شخص ہوں البتہ ایک داخلی داعیہ کے باعث جس قدر بات میری سمجھ میں آئی ہے اور اس کا جو اُسلوب اور طریقہ میری دانست میں آیا، اسی پر اکتفا کیا۔ لیکن اس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ اس موضوع پر اپنی معلومات درست کرنے کی غرض سے کئی کتابیں اور رسالے دیکھنے کا اتفاق ہوتا رہا۔ کوشش اب بھی جاری ہے۔ جوں جوں میں ان مبارک تحریروں کو دیکھتا گیا، علم کے ساتھ ساتھ میرے

یقین میں بھی اضافہ ہوتا رہا[6]۔

منکرین حدیث کے ساتھ تعامل

حجیت حدیث کے ضمن میں تین عشروں پر محیط یہ مطالعہ عمومی نوعیت کا نہیں تھا بلکہ اس میں گہری سنجیدگی کارفرما تھی۔اس سنجیدگی کی متعدد وجوہات سردار صاحب نے خود بھی بیان کی ہیں جن میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ سردار صاحب ایک عرصہ ان لوگوں میں گزار چکے تھے جو انکار حدیث کے فتنہ میں مبتلا ہو چکے تھے[7]۔اس ضمن میں انھوں نے بعض منکرین حدیث کے ساتھ اپنے تعامل کا ذکر بھی کر رکھا ہے۔

1۔ وہ لکھتے ہیں کہ افضل نامی ان کے ایک دوست نے پرویز کا لٹریچر پڑھنا شروع کیا تو اس کی زندگی تبدیل ہو گئی۔اس سے قبل وہ عبادات اور تلاوت و وظائف کا پابند تھا لیکن پرویز کی کتابوں کے مطالعہ کے بعد نمازیں،تلاوت اور وظائف چھوٹ گئے جس کی وجہ سے اس کے چہرے پر موجود روحانی نورانیت کا خاتمہ ہو گیا تھا۔سردار صاحب کے بقول انھوں نے اپنے اس دوست کو عار دلائی اور سمجھا بجھا کر اس کو توبہ کی جانب گامزن کیا۔سردار عبدالقیوم لکھتے ہیں کہ اس نے اگرچہ توبہ تو کر لی مگر وہ زہر سالہا سال تک اس کے جسم سے زائل نہ ہوا۔بڑی مدت کے بعد وہ رفتہ رفتہ اپنے رنگ و روپ کی طرف لوٹا جب کہ زہر کا اثر ہونے میں تو شاید ایک لمحہ بھی نہ لگا ہو گا[8]۔

2۔ سردا عبدالقیوم ایک اور واقعہ بھی تفصیل سے لکھتے ہیں جس کا لب لباب یہ ہے کہ ماضی قریب میں ایک اور صاحب کے اصرار پر میں نے پرویز کی کچھ کتابیں منگوا کر رکھیں لیکن مجھے ان سے سخت کراہت ہوتی تھی۔اس کی تحریروں میں دلکشی ضرور تھی لیکن ان کے مطالعہ کے دوران مجھے انکار حدیث سے متعلق پرویز کے افکار سخت برانگیختہ کرتے تھے۔اس لیے میں ان کتابوں کو بعد میں تلف کر ڈالا تھا[9]۔

3۔ سردار صاحب نے ایک اور واقعہ بھی لکھا ہے جس کے مطابق انھوں نے لاہور سے آئے ہوئے ایک پرویزی کو دیکھا، وہ بحث کرتے ہوئے سردار صاحب سے کہنے لگا کہ قرآن مجید تو کدا کی کتاب ہے لیکن اس کے علاوہ (معاذ اللہ) یہ ڈِنگ ڈانگ (Ding Dong) کیا ہے،سردار صاحب نے غصے میں آ کر جواب دیا کہ اگر تم میرے گھر میں مہمان نہ ہوتے تو میں تمہارا منہ توڑ دیتا۔اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ پرویز کی تعلیمات کا اثر کہاں تک ہے۔گویا وہ شخص حدیث مبارک کو ڈِنگ ڈانگ کہہ رہا تھا[10]۔

معلوم ہوتا ہے کہ انکار حدیث کے فتنہ میں مبتلا لوگوں کے ساتھ سردار عبدالقیوم کا تعامل بھی "فتنہ انکار حدیث" کی تصنیف کے اسباب میں اساسی اہمیت کا حامل ہے۔

منکرین حدیث کے افکار پر سردار عبدالقیوم کا محاکمہ

سردار عبدالقیوم نے اپنی کتاب کی چاروں جلدوں میں حجیت حدیث کے ضمن میں اہم مباحث پیش کر رکھے ہیں۔ان میں سب سے زیادہ اہمیت منکرین حدیث کے اعتراضات کے جوابات سے متعلق مواد کو دی جا سکتی ہے۔سردار صاحب نے متعدد اور منتشر مقامات پر انکات حدیث کے علم برداروں کی جانب سے حدیث و سنت کی حجیت کے بارے میں پیش کردہ اعتراضات کو بیان کر کے ان کا محاکمہ کر رکھا ہے۔ان میں سے اہم شکوک و شبہات کو یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

انکارِ حدیث کے معماروں کی تعین

سردار عبد القیوم کا خیال ہے کہ انگریز نے جب برصغیر پاک و ہند میں حکومت کی تو اپنی مذہبی تبلیغ یعنی عیسائیت کی تعلیمات کو اُجاگر کرنے کے لیے مسلمانوں ہی میں سے ایسے افراد چُنے جو اسلام کی تعلیمات میں سے نقص نکالیں تاکہ اسلام کے مقابلے میں عیسائیت کو ترویج دی جاسکے۔ لہٰذا اہلِ قرآن کے نام سے کچھ لوگ تیار کیے گئے تاکہ حدیث کا انکار کیا جاسکے۔ مزید یہ کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے مابین بھی بحث و مباحثے اور مناظرے شروع کروادیئے گئے تاکہ دوسرے مذاہب کی تعلیمات میں سے نقائص نکالے جاسکیں۔ اس طرح انکارِ حدیث کے فتنے نے سر اُٹھایا اور احادیث مبارکہ کے مختلف پہلوؤں میں سے نقائص ڈھونڈے جانے لگے[11]۔

ان کا خیال یہ ہے کہ سنت رسول ﷺ کے خلاف جو کچھ کیا جارہا ہے اس کو محض علیحدہ کرکے نہیں دیکھا جاسکتا۔ بلکہ یہ ایک جامع منصوبہ کا حصہ ہے اور ایک معروف تاریخی عمل ہے جو اسلام کے علاوہ دوسرے تمام مذاہب پر بھی گزر چکا ہے۔ ان مذاہب کا قصہ تو چونکہ ختم ہوگیا اس لئے اب ظاہر ہے کہ وہ عمل صرف اسلام پر ہی دہرایا جاسکتا ہے[12]۔

منصبِ رسالت پر پہلا اعتراض

سردار عبد القیوم کے مطابق منکرین حدیث اور مستشرقین کی طرف سے ایک اہم اور بنیادی اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ محض پیغام پہنچانے کی غرض سے مبعوث کیے گئے۔ اس کے علاوہ آپ کا معاشرے میں کوئی کردار نہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ کے فرامین اور سنن کی شریعت اسلامیہ میں کوئی حیثیت نہیں ہے[13]۔

برصغیر میں اس اعتراض کو علامہ نیاز فتح پوری نے شد و مد کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان کا موقف ہے کہ:

> "اگر ہم رسول اللہ کی قائم کی ہوئی شریعت اور اُن کے بتائے ہوئے اصول اخلاق و معاشرت کے متعلق یہ فرض کرلیں کہ وہ بالکل خدائی چیز تھی اور خود رسول اللہ کے فہم و فراست اور عزم و ارادہ کو اس میں کوئی دخل نہ تھا تو رسول کی اتنی اہمیت بالکل ختم ہو جاتی ہے اور ان کی حیثیت محض ایک ایسے پیام رساں یا قاصد کی سی ہے جو خود کوئی انفرادیت نہیں رکھتا اور جس سے کوئی سوال نہیں کیا جاسکتا[14]۔

نیاز فتح پوری کے علاوہ یہی مقدمہ غلام احمد پرویز[15] اور مولانا اسلم جیراج پوری[16] نے بھی پیش کیا ہے۔

اعتراض کا تجزیہ

منکرین حدیث کے مذکورہ اعتراض کو مدنظر رکھتے ہوئے سردار محمد عبد القیوم خان نے یہ جواب پیش کیا ہے کہ قرآن مجید میں جن آیات میں اہلِ ایمان کو نبی اکرم ﷺ کی اطاعت اور فرماں برداری کا حکم دیا گیا ہے وہ یہ ثابت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ کا منصب محض پیغام رسانی تک محدود نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ہی کی اطاعت کروانا چاہ رہے ہیں جو کہ حقیقتاً اللہ ہی کی اطاعت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہی انسانیت کو اللہ سے ملانے والے ہیں۔ کوبھی شخص اگر اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے لازم و ضروری ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق اپنے اعمال اللہ کے حضور پیش کرے۔ تب اس کو اللہ کا قرب اور وصال نصیب ہوگا۔ حضور ﷺ کے بغیر اللہ تک پہنچنا ناممکن ہے اور یہی ابلیسی طرزِ

فکر ہے[17]۔

یہی موقف عبدالرحمان کیلانی نے پیش کرتے ہوئے صراحت کی ہے کہ آپ کی اتباع صرف آپ کے زمانہ تک ہی محدود نہ تھی بلکہ تاقیامت آپ کی اتباع لازم وواجب ہے۔اس سے مستثنیٰ صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان نہ رکھتا ہو یا بالفاظ دیگر کافر ہو۔رہی یہ بات کہ آپ کی اتباع تاقیامت کیوں ضروری ہے تو اس کی وجوہ درج ذیل ہیں:

- ہر نبی اور رسول مبرا عن الخطا ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس سے عملی میدان میں کوئی لغزش بھی ہو جائے تو وحی الٰہی اس کی فوراً اصلاح کر دیتی ہے اور اس کی خطا معاف کر دی جاتی ہے۔نیز رسول کو یا نبی کو احکامِ الٰہی کا نمونہ پیش کرنا ہوتا ہے۔اگر اس میں کوئی جھول رہ جائے تو اس کی زد تمام امت پر پڑتی ہے۔یہ عملی نمونہ جب تک پیش نہ کیا جائے احکامِ الٰہی کے سارے گوشے بے نقاب نہیں ہو سکتے۔نیز جب تک کسی کو یہ یقین نہ ہو کہ جو عملی نمونہ اس کے سامنے پیش کیا جارہا ہے۔وہ فی الواقع احکامِ الٰہی کی صحیح تعبیر ہے۔اس وقت تک اسے رُوحانی اطمینان نصیب نہیں ہو سکتا جو ایمان کی رُوحِ رواں ہے۔
- اتباع صرف رسول کی ہے،اللہ کی نہیں: جس طرح عبادت صرف اللہ کے لئے ہے اور اس میں نبی بھی شریک نہیں ہو سکتا۔اس طرح اتباع صرف رسول کی ہے خدا کی نہیں۔کیونکہ اتباع کسی کو دیکھ کر از خود اس کے پیچھے پیچھے چلنے کو کہتے ہیں لہٰذا اتباع ہو ہی رسول کی سکتی ہے اور جب قرآن کی بیسیوں آیات میں رسول کی اتباع کا بھی حکم موجود ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ دین وایمان کی تکمیل کے لئے رسول کی اتباع اتنی ہی اہم ہے جتنی کہ خدا کی عبادت۔
- آپ کی اتباع سے انکار کفر ہے: مندرجہ بالا تصریحات سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ آپ کی نافرمانی یا مخالفت کفر ہے اور اس سلسلہ میں بھی بے شمار آیات ودلائل قرآن کریم میں موجود ہیں[18]۔

لہٰذا سردار عبدالقیوم نبی اکرم کو محض ایک پیغام رساں شمار نہیں کرتے ہیں بلکہ وہ آپ ﷺ کو ایک مربی، مدرس، معلم، نبی اور رسول کی حیثیت سے مسلمانوں کے لیے واجب الاطاعت قرار دیتے ہیں اور ان کے اس موقف کی تائید متعدد علماء کی تصریحات سے بھی ہوتی ہے[19]۔

منصبِ رسالت پر دوسرا اعتراض

منکرین حدیث اس پہلو سے بخوبی واقف ہیں کہ پیغمبر ﷺ کے مشن میں تعلیم وتزکیہ اور اصلاح اعمال شامل ہے۔اس کو تسلیم کر لینے کے ساتھ یہ تسلیم کرنا بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ آپ ﷺ اس مشن کی تکمیل کے لیے ان اختیارات کے حامل تھے جن کو تشریع کے ضمن میں زیر بحث رکھا جاتا ہے۔لیکن چونکہ اس اختیار کو تسلیم کرنے سے حدیث کی حجیت کو تسلیم کرنا لازم آتا ہے۔اس لیے منکرین آپ ﷺ کے اس کردار کا ہی انکار کر بیٹھتے ہیں جو بطور معلم و مصلح آپ ﷺ کو تفویض کیا گیا ہے۔چنانچہ نیاز فتح پوری لکھتے ہیں کہ:

"ہم رسول کو مصلح قوم کہتے ہیں لیکن کیا وہ شخص صحیح معنوں میں مصلح ہو سکتا ہے جو وقت و زمانہ

کے لحاظ سے خود کوئی حکم لگانے یا فیصلہ صادر کرنے کا اختیار نہ رکھتا ہو۔ جو خود قوانین اصلاح وضع نہ کر سکتا ہو اور جو اپنی ذاتی عقل ورائے سے کام لینے کا مجاز نہ ہو[20]"۔

اعتراض کا تجزیہ

سر دار عبد القیوم کا خیال ہے کہ منکرین حدیث کے ہاں مروج منصبِ رسالت کے فہم کی یہ بنیاد ہی غلط ہے کیونکہ اس میں بغضِ رسالت کا کھل کر اظہار ہو رہا ہے۔اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے مقام و مرتبے کو مسلمانوں کے دلوں میں کم کرنے بلکہ ختم کرنے کی کوشش کی جاری ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کو محض پیغام رساں قرار دینا اور آپ ﷺ کو بطور مصلح قبول نہ کرنا اسی فکر اور منہج کے عکاس و غماز ہیں۔

سر دار عبد القیوم کے مطابق حالانکہ قرآن عظیم الشان کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو رسول کے علاوہ متعدد القابات سے پکارا ہے۔ جن میں مطاع، ہادی، قاضی، حاکم اور معلم کی حیثیتوں کو بیان کیا ہے۔ یہ اُن آداب کے علاوہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے لیے مخصوص کر دیے ہیں۔ یہی وہ حقائق ہیں جن سے جانتے بوجھتے ہوئے چشم پوشی برتی جاتی ہے تاکہ نعوذ باللہ انسانیت کے دلوں میں سے مقام رسالت کو ختم کیا جاسکے[21]۔

احادیث کو ظنی علوم قرار دینے کی کوشش

منکرین حدیث اور مستشرقین کا مؤقف ہے کہ مسلمانوں کی ایک بڑی جمعیت یہ اقرار کرتی ہے کہ حدیث کا علم ظنی ہے، یہ قرآن مجید کی طرح قطعی نہیں ہے۔ ظن سے مراد ایسی بات ہے جس کی قطعیت پر شک و شبہ ہو۔ لہٰذا جو علم ظنی تسلیم کیا جا چکا ہے وہ شریعت میں حجت کیونکر ہو سکتا ہے[22]؟

اعتراض کا تجزیہ

مسلمان علماء یہ تصریح کر چکے ہیں کہ ظن" ہمیشہ شک و شبہ کے مفہوم میں مستعمل نہیں ہوتا ہے بلکہ قرآن مجید میں اس لفظ کو یقینی بات کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن منکرین حدیث اس لفظ کو محض شک و شبہ والی بات کے مفہوم میں پیش کرتے ہیں تاکہ انکار حدیث کے بارے میں ان کے افکار کی تائید ہو سکے[23]۔

اسی تناظر میں سر دار محمد عبد القیوم خان لکھتے ہیں کہ :

> "حدیث مبارک اور سنت رسول ﷺ سے انکار کا ایک لازمی نتیجہ تو یہ ہونا چاہیے اور وہی ہو رہا ہے کہ قرآن کے معانی اور مفہوم کو خاص طور پر خاص مقصد کے مطابق متعین کیا جائے اور جب ایسا کرنے میں مشکل پیش آجائے تو پھر قرآن کریم کے اعراب بدل کر اپنے مقصد کا مفہوم نکالا جائے۔ جب اس میں بھی مشکل پیدا ہو جو لازماً ہو گی، تو پھر قرآن کریم کی اصل عبارت میں کانٹ چھانٹ کر کے ایسا قرآن تیار کیا جائے جو قرآن کے مخالف اور انکار سنت والے حضرات کے مقصد کے عین مطابق ہو[24]"۔

مقالہ نگاران کا خیال ہے کہ اگر بغور دیکھا جائے تو عربی لفظ " ظن " کے معانی بالکل واضح ہیں۔اس کے مختلف معانی بیان کیے جاتے ہیں جیسا کہ گمان، یقین، اعتبار، شک، احتمال اور اندیشہ وغیرہ۔ یہ بھی قابل غور ہے کہ جب تک ان آیات کو جن میں

لفظ "ظن" بیان کیا گیا ہے۔ ان کے سیاق و سباق کو نہ دیکھا جائے تب تک معنیٰ کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن منکرین حدیث نے نہایت باریک طریقے سے قاری کے ذہن میں شک پیدا کرنے کی کوشش کی جس کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔ اگر اس اعتراض پر غور کیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ اعتراض کرنے والا لفظِ "ظن" کے معنیٰ سے واقفیت نہیں رکھتا اور اس کا معنیٰ "شک" بیان کرتا ہے۔ حالانکہ لفظِ "شک" بذاتِ خود عربی زبان کا لفظ ہے۔ جب ایک لفظ خود عربی زبان میں موجود ہے تو کیسے کسی دوسرے لفظ کا معنیٰ اس معنیٰ میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ نیز ان آیات کے سیاق و سباق کو نہ دیکھا جائے تب تک معنیٰ کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی یہی لفظ متعدد جگہوں پر بیان کیا گیا ہے۔ اگر منکرین کے معنیٰ کو لیا جائے تو احادیث کے معانی و مفہوم میں خرابی آ جائے گی جو کہ حقیقتِ حال کے خلاف ہے۔ لہٰذا اس کے لیے ضروری ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ اہل علم حضرات نے لفظ ظن کے متعلق کیا بیان کیا ہے تاکہ شک و شبہ باقی نہ رہے۔ امام راغب اصفہانی نے اپنے معروف کتاب مفردات القرآن میں اس کے معانی میں لکھا ہے کہ "الظن سُوَرَةُ کسی چیز کی علامات سے جو نتیجہ حاصل ہوتا ہے اسے ظن کہتے ہیں جب یہ علامت قوی ہو تو ان سے علم کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اس معنیٰ کی روشنی میں لفظِ ظن مزید نکھر کر اپنے معنیٰ کو واضح کر رہا ہے۔ جو کہ منکرین کے موقف کو مسترد کرنے کے لیے کافی ہے۔ حافظ عبد الستار الحماد نے بھی یہی موقف پیش کیا ہے کہ اگر قرائن مضبوط ہوں تو "ظن" کو علم کے معنیٰ میں استعمال کیا جاتا ہے [25]۔

محدثین کا حافظہ

منکرین حدیث اور مستشرقین کا خیال ہے کہ چونکہ احادیث مبارکہ کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ اگر ان کو نبی اکرم ﷺ کی زندگی کے ایام و ماہ و سال پر تقسیم کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے ساتھ تعداد کے اعتبار سے مناسبت نہیں رکھتی ہیں۔ نیز ان تمام احادیث کو لفظی اور معنوی طور پر حفظ کرنا انسانی حافظے، قابلیت و بساط کے لیے ناممکن ہے۔ لہٰذا محدثین نے جو احادیث لکھیں اور دعویٰ کیا کہ یہ لفظی و معنوی طور پر محفوظ ہیں، ان کا محفوظ ہونا محل نظر ہے [26]۔

فتنہ انکارِ سنت میں منکرین حدیث کا مذکورہ اعتراض متعدد منکرین حدیث کی کتابوں میں مل جاتا ہے۔ مثلاً حبیب الرحمٰن کاندھلوی کا کہنا ہے کہ مسلمان علماء نے احادیث نبویہ ایسے راویوں سے اخذ کی ہیں جو حافظے کے اعتبار سے ناقابل اعتماد تھے:

> "امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی صحیحین میں ایسے راویوں سے بھی روایات لی ہیں جن کا حافظہ آخر عمر میں جواب دے گیا تھا [27]"۔

احادیث کی تعداد کو ہی پیش نظر رکھتے ہوئے نیاز فتح پوری نے بھی یہ اعتراض پیش کیا ہے کہ:

> "اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ نے اپنے دوران رسالت میں لوگوں سے خدا جانے کتنی باتیں کہی ہوں گی لیکن چونکہ قرآن کی طرح آپ کے اقوال کو محفوظ رکھنے کا طریقہ رائج نہ تھا اس لیے آج ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ آپ نے کس سے کب کیا فرمایا اور اگر کوئی آپ کے کسی قول کی کوئی نقل بھی کرے تو یہ اعتبار کیونکر آ سکتا ہے جو بات بیسوں آدمیوں کی وساطت سے نقل در نقل ہو کر ہم تک پہنچی ہے وہ واقعی وہی ہے جو رسول اللہ نے فرمائی تھی [28]"۔

اعتراض کا تجزیہ

حدیث کے رواۃ کے حافظے پر اعتراض کے لیے محض خیالی اور قیاسی اسالیب کو اپنایا گیا ہے۔اس پہلو کو ملحوظ نہیں رکھا گیا کہ عہدِ نبوی میں جن صحابہ کو حافظے کی شکایت تھی، ان کے حافظے سے متعلق نبی اکرم ﷺ نے تسلی بخش اقدامات فرمائے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ اس ضمن میں علمی حلقوں میں معروف ہے جس کے مطابق آپ ﷺ نے ان کی جانب سے سوءِ حفظ کی شکایت کے بعد خصوصی دعا فرمائی جس ے بعد ان کا حافظہ مضبوط اور مستحکم ہو گیا تھا۔ان سے کثیر تعداد میں احادیث مروی ہیں۔ بعض لوگوں نے ان کی روایات پر شک و شبہ کا اظہار کیا تو مروان کے عہد میں ان کا امتحان لیا گیا جس میں وہ کامیاب ثابت ہوئے تھے[29]"۔

اگر ایک روایت کمزور حافظے کے مالک راوی سے مقول ہو تو محدثین اسی روایت کے شواہد اور متابعات کو دیگر راویوں کے ذریعے بھی تلاش کرتے ہیں اور پھر اس کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔اگر کسی راوی کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا حافظہ کمزور تھا اور اس کی پیش کردہ روایت کا کوئی متابع یا شاہد بھی موجود نہیں ہے تو پھر اس کو روایت پر عدم، اعتماد کا اظہار کیا جاتا تھا۔اس احتیاط کا عالم یہ تھا کہ اگر کسی راوی کے بارے میں یہ خبر مل جائے کہ کبر سنی کی بنا پر اس کا حافظہ زندگی کے آخری ایام میں زائل ہو گیا تھا یا کمزور ہو چکا تھا تو محدثین اپنی تحقیق کے ذریعے یہ بھی معلوم کرتے تھے کہ زیرِ غور ریت متعلقہ راوی نے اپنی زندگی کے کون سے حصے میں آگے منتقل کی تھی۔

سردار عبد القیوم کا خیال ہے کہ منکرین حدیث اور مستشرقین نے محدثین کی تحقیقی مساعی اور ان کے حزم و احتیاط کے اس پہلو کو یکسر نظر انداز کر رکھا ہے، وگرنہ وہ محض سوءِ حفظ کا مفروضہ اختراع کرتے ہوئے احادیث کو مشکوک قرار دینے کا ارتکاب نہ کرتے۔وہ لکھتے ہیں کہ:

> "اگر انصاف کی نظر سے دیکھیں تو کیا رسول ﷺ کے ساتھ محبت، لگاؤ اور وابستگی کا جو عالم نبی ﷺ کے ساتھیوں اور بعد کے اہل ایمان اور محبت کرنے والوں کا ہو گا، کیا وہ انسانی حافظوں کی وُسعتوں کو بیان کرنے کے لیے اور ان کو قابل اعتماد سمجھنے کے لیے کافی نہیں ہے۔۔۔اگر مستشرقین اس بات کو ملحوظ خاطر رکھتے کہ محدثین کرام نے احادیث کو جمع کرنے کے لیے کن کن شرائط کو سامنے رکھا تو مستشرقین کا یہ اعتراض بھی پیدا نہ ہوتا[30]"۔

حبیب الرحمان کاندھلوی نے اس اعتراض میں صحیحین کے مؤلفین کو اپنے نقد کا نشانہ بنایا ہے۔اس کے جواب میں مولانا ارشاد الحق اثری نے واضح کیا ہے کہ منکرین کا یہ اعتراض بے بنیاد ہے کیونکہ صدیوں سے صحیحین کے بارے میں تقریباً پوری اُمت اس بات پر متفق ہے کہ کتب احادیث میں ان دونوں کا مقام و مرتبہ سب سے بلند ہے اور صحیح بخاری قرآن پاک کے بعد دنیا میں سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے۔خود ان کتابوں کے مؤلفین نے اپنی کتابوں میں درج شدہ احادیث کی صحت کا خصوصی اہتمام فرمایا۔اس دور کے اکابر محدثین نے ان کی ہمنوائی فرمائی اور پھر ہر دور میں محدثین اور اہل علم نے ان سے اتفاق کیا۔اور یہ اتفاق صرف ان مصنفین کی عظمت کے باعث ہی نہیں بلکہ ہر دور میں انہیں جانچنے پرکھنے کے اصولوں کی کسوٹی پر انہیں پرکھا گیا[31]۔

سردار محمد عبد القیوم خان اس بحث کو منطقی اختتام تک پہنچاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ احادیث مبارکہ کی صحیح تعداد تو بمشکل دس ہزار کے قریب ہے جب کہ باقی متابعات و شواہد ہیں۔اس کے مقابل اگر تاریخ کے متعلق بغور جائزہ لیا جائے تو یہ محض

قانونی نظائر اور فقہی ضابطوں پر مشتمل ہے۔ جس کو چند مؤرخین نے ہزاروں لاکھوں منتشر افراد کے مختلف اوقات و مقامات میں بکھتے ہوئے واقعات کو جمع کیا۔ منکرین حدیث نے کبھی بھی ان مؤرخین کے ذاتی کردار، حق گوئی، بے باکی یا حرص وبد دیانتی کو زیرِ بحث نہیں لایا۔ اس کے باوجود منکرینِ حدیث کی نظر میں تاریخ صحیح ہے اور حدیث وسنت رسول ﷺ پر اعتراضات کرنے کو دوڑے دوڑے آتے ہیں۔ اس سے منکرین حدیث کے مقاصد مزید واضح ہو جاتے ہیں کہ یہ صرف اور صرف حضور ﷺ اور آپ کی تعلیمات پر ہی وار کرتے ہیں۔ ان کو بنیادی خدشہ وخطرہ احادیث مبارکہ سے ہی ہے [32]۔

محض قرآن کی کفایت

منکرین حدیث کا ایک مقدمہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ قرآن مجید میں ضرورت کی ہر چیز کو بیان فرمارکھا ہے [33]۔ لہٰذا اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے مآخذ یعنی حدیث سے رہنمائی لینے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے [34]۔ مولوی چراغ دین کے بقول:

> "قرآن وہ کتاب ہے جو من کل الوجوہ کامل ہے۔ لہٰذا اس کی موجودگی میں کسی عقلی دلیل، قیاس اور حدیث کی ضرورت باقی نہیں رہی [35]"۔

اعتراض کا تجزیہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے تمام اہم امور بیان فرمارکھے ہیں لیکن ان "تمام" سے مراد تفصیلات نہیں بلکہ مجملات ہیں۔ ان کو اصول و قواعد سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ قرآن مجید میں ہی یہ فرمایا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے منصب رسالت کی ذمہ داریوں کی "تبیین" اور "تزکیہ" بھی شامل ہے [36]۔ یہ تزکیہ اور تبیین آپ ﷺ کی تعلیمات، سنن و سیرت کو محیط ہے۔ ایک آیت کو اختیار کر کے دیگر آیات سے صرف نظر کرنا علمی خیانت میں شمار ہوتا ہے اور منکرین حدیث کا یہ استدلال اسی خیانت کا مظہر ہے۔

قرآن مجید میں مذکور تشریعی امور کی وضاحت نبی اکرم ﷺ نے اپنے اقوال اور سنن کے ذریعے فرمائی تھی جن میں عبادات، معاملات، اخلاقیات وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے تدبیری امور کو بھی بحسن وخوبی سرانجام دیا تھا۔ ان میں سیاسیات، عسکریات اور ریاستی انتظام و انصرام سے متعلقہ معاملات شامل ہیں۔ مزید براں آپ ﷺ نے طبیعی امور کو بھی پیش فرمایا تھا جن میں آپ ﷺ کی روزمرہ زندگی کی بول چال اور خوراک و پوشاک وغیرہ سے متعلق چیزیں ہیں۔ تشریعی امور کی بنیاد خالصتاً وحی الٰہی ہے۔ قرآن مجید میں ان کو مجمل صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ ان کی تشریح و تفسیر کی ضرورت نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات اور آپؐ کی سنن و سیرت کے ذریعے ہوتی ہے۔ اگر آپ ﷺ کو درمیان سے ہٹا دیا جائے تو تشریعی معاملات سے متعلق تمام قرآنی آیات ابہام کا شکار ہو جاتی ہیں۔ انہی امور سے متعلق قرآن مجید نے "ما ینطق عن الھویٰ۔ ان ھوا الا وحی یوحیٰ" کہا ہے [37]۔

یہی جواب پیش کرتے ہوئے سردار عبد القیوم نے صراحت کی ہے کہ جس طرح اسلام میں قرآن حجت ہے اور اس سے احکام و مسائل ثابت ہوتے ہیں، اسی طرح حدیث بھی حجت ہے۔ اس سے بھی احکام و مسائل ثابت ہوتے ہیں۔ نیز مرتبے میں اگرچہ قرآن حدیث سے پہلے ہے، لیکن ایمان لانے میں حدیث قرآن سے مقدم ہے، کیونکہ قرآن کا قرآن ہونا خود آنحضرت

ﷺ کے فرمانے سے ہی معلوم ہوا۔ اگر آپ ﷺ کا یہ فرمان حجت نہ ہو، تو قرآن پر ایمان لانا کیسے ممکن ہو گا۔ تاہم ادب کا تقاضا یہی ہے کہ ایمان لانے کے لئے جو ترتیب خود قرآن حکیم نے بتلائی ہے اُسی پر عمل کیا جائے۔ اس ترتیب میں اللہ، رسول ﷺ، کتاب، ملائکہ اور یومِ آخرت ہے[38]۔

وہ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید کو سیکھنا چاہے تو اس کے لیے بھی ضروری یہی ہے کہ وہ اس کو نبی اکرم ﷺ کے ذریعے سیکھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو قرآن مجید کا معلم بنا کر مبعوث فرمایا تھا۔ جن لوگوں نے بھی رسالت کے بغیر قرآن سمجھنے کی کوشش کی وہ تو گویا خودکشی کرنے والوں کی طرح ہیں جن کا کسی کے پاس علاج نہیں۔

لاعلاج طبیعت کے شکار ایسے طبقات کے ساتھ مسلمانوں کا کیا رویہ ہونا چاہیے؟ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے سردار عبد القیوم لکھتے ہیں کہ:

"حدیث و سنت مبارکہ سے انکار کرنے والوں کو اپنے حال پر ہی چھوڑا جائے تو اچھا ہے۔ سمجھانے کا کام علمائے کرام ہی بہتر طریقہ سے کر سکتے ہیں جو سمجھنا چاہے اس کو اچھی طرح سمجھایا جائے[39]"۔

سردار صاحب کے مطابق اگر صرف کتاب ہی کے ذریعے ہدایت ممکن ہوتی تو اللہ تعالیٰ سوا لاکھ کے قریب انبیاء ورسل کو کیوں مبعوث فرماتے؟ یہ اس لیے ضروری ہے کہ قرآن کریم میں بیان کردہ حقائق اور انسان کے لیے کامیاب زندگی گزارنے کے لیے عملی نمونہ پیش کرنے کے لیے انبیاء اور رسل کی بھیجنا ضروری تھا، تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ قرآن کریم کے مطابق عملی زندگی کیسے گزاری جائے۔ اگر حدیث کا وجود نہ ہوتا تو قرآنی احکامات کے اکثر حصے پر عمل کرنا محال ہو جاتا۔

وہ قرآن کو کافی قرار دینے اور حدیث کا انکار کرنے والوں کا نفسیاتی تجزیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ عین ممکن ہے کہ ممکن ہے کہ قرآن حکیم کو ہی ہدایت کے لیے کافی سمجھنے والے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتے رہیں اور غرض محض آسانیاں تلاش کرنے کی ہو۔ اسی لیے امام سختیانی فرماتے ہیں کہ اگر تم کسی کے سامنے حدیثِ رسول ﷺ بیان کرو اور وہ کہے اسے چھوڑ دو اور ہمارے لیے قرآن بیان کرو تو سمجھ لو کہ وہ خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے۔ نیز یہ بھی عجیب منطق ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بار بار فرماتے ہیں کہ رسول کی اطاعت ہی نہیں بلکہ اتباع کرو تو شاہ سے زیادہ شاہ پسند لوگ کہتے ہیں کہ "نہیں اللہ پاک ہم تو صرف قرآن کو ہی مانتے ہیں۔ گویا اس طرح نہ اللہ کا حکم مانیں نہ قرآن کا اور کہیں یہ کہ وہ تو اللہ تعالیٰ اور قرآن کو مانتے ہیں۔ یہی تو ابلیس نے کہا تھا۔ اُس نے حکم نہیں مانا اور اس کی ایک نامعقول دلیل بھی دی[40]۔

سردار صاحب کے بقول یہ نہایت باریک اعتراض ہے جو کہ انسانی شعور کو اپیل بھی کرتا ہے۔ مگر اس کے اندر نہایت باریک اعتراض پوشیدہ ہے کہ صرف قرآن پر عمل کرنا ضروری ہے اور حدیث کی ضرورت نہیں۔ صرف کتاب اللہ ہی سے ہدایت دینا مقصودِ الٰہی ہوتا تو پیغمبروں کو کبھی بھی مبعوث نہ کیا جاتا۔ بغیر انبیاء و رسل کے کوئی بھی کتاب عملی صورت کو کیسے بیان کر سکتی ہے۔ اس کے لیے لازمی امر یہ ہے کہ لکھی ہوئی تحریر کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کوئی کردار ضروری ہے جس سے کسی بھی شخص کو عملی صورت سامنے رکھتے ہوئے کتاب پر عمل کیا جائے۔ وگرنہ ہر شخص اپنے اپنے عمل ہی کو قرآنی عمل کہتا پھرے گا۔ جس سے خرابی اور جھگڑا لازم آتا ہے۔ اس لیے لازمی ہے کہ قرآنی احکامات کے ساتھ ساتھ نبوی عمل کو بھی سامنے رکھا جائے۔ اسی میں کامیابی ہے۔ اس لیے کہ نبوت کی اتباع کو اللہ تعالیٰ نے قرآن ہی میں لازمی قرار دیا ہے۔ اور حضور ﷺ کے

معمولات کو قرآن کے ساتھ ساتھ حدیث مبارکہ میں تفصیل کے ساتھ دیکھنا ضروری ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بات مانی جائے۔ یعنی وہ جو دیں وہ لے لو، اور جس سے روکیں اس سے رُک جاؤ۔ اتنے واضح ارشاد کے باوجود پیچھے کیا باقی رہ جاتا ہے کہ جس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ یا آپ کے اقوالِ مبارکہ کو پسِ پشت ڈالا جاسکے۔ اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے تو یقیناً قلبی و ذہنی خباثت کے علاوہ کوئی دوسرا نام نہیں دیا جاسکتا۔ ایسے شخص کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کی احادیث و سنت مبارکہ سے اختلاف کرنے اور کمی و خرابی کو ڈھونڈنے سے پہلے اپنے من میں جھانکنا چاہیے اور اپنے آپ میں سے خرابی اور کمی کو تلاش کرنا چاہیے۔ اور یقیناً خرابی اور کمی اسی شخص میں سے ہی ملے گی رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ بابرکات اور آپ کی احادیث و سنت ہمیشہ روشن اور تابندہ ہی نظر آئیں گی جن میں اُمت کے لیے اخلاص اور للّٰہیت واضح ہوگی[41]۔

سردار عبدالقیوم نے قرآن مجید کے ساتھ حدیث و سنت کی حجیت کو محبت رسول کے پیرایہ میں بھی دیکھنے اور سمجھنے کی دعوت دی ہے۔ وہ قارئین پر واضح کرتے یں کہ کثیر تعداد میں ایسے قرآنی ارشادات بھی موجود ہیں جن میں اللہ کی محبت کا ذکر موجود ہے۔ اور یہی محبت کا وجود باقی اور کائنات میں جاری و ساری ہے۔ اور اسی محبت کی بُنیاد پر اللہ تعالیٰ نے کائنات کو تخلیق فرمایا۔ عرض کرنا مقصود یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت اور اتباع ہی میں انسانی کامیابی پوشیدہ ہے اور یہی محبت اور اتباع ہی اُخروی نجات کی ضامن ہے[42]۔

مؤطاامام مالک پر اعتراض

منکرین حدیث کا کتب حدیث میں مؤطاامام مالک پر اعتراض بھی ریکارڈ کا حصہ ہے۔ جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ امام مالک نے احادیث کو بیان کرنے میں صداقت کا دامن چھوڑ دیا اور اپنی طرف سے من گھڑت احادیث بیان کیں اور اُن کو آگے پھیلایا۔ نیز اس کے مختلف نسخوں میں 300 سے 500 تک حدیثیں ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ آپ تازیست اس میں قطع و برید کرتے رہے۔

اعتراض کا تجزیہ

موطاامام مالک جب تیار ہوچکی تھی تو اس کو ستر علماء مدینہ اور دوسرے فقہاء نے دیکھ کر اس کی صحت پر اتفاق کیا اسی لیے اس کا نام موطا (متفق علیہ) رکھا گیا تھا۔ پھر اس کتاب کو امام موصوف کے تقریباً ایک ہزار شاگردوں نے امام صاحب سے سنا اور ضبط تحریر میں لائے۔ ان دنوں پریس تو تھے نہیں بلکہ صاحبِ ضرورت خود ہی اپنے ہاتھ سے لکھا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ تمام مسودات گم ہوگئے اور تاریخ حدیث میں سولہ نام باقی رہ گئے ان میں اگرچند ایک حدیث کی کمی بیشی ہو تو یہ عین ممکن ہے آج کل جو ہمارے ہاں متداول نسخہ ہے وہی سب سے زیادہ قابل اعتماد اور مستند ترین نسخہ اور یہ یحییٰ بن یحییٰ مصموری (م234ھ) کا مرتب کردہ ہے۔ اس موجودہ نسخہ کے ٹائٹل پر ہی آپ کے یہ الفاظ نظر آئیں گے "1720 احادیث کا مجموعہ "اب جو نسخے موجود ہی نہیں ان کے ذکر کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے؟ ان احادیث کی تفصیل درج ذیل ہے:

- مرفوع احادیث 600

- مرسل 222
- موقوف (اقوالِ صحابہ) 613
- مقطوع (اقوالِ تابعین) 285
- کل میزان 1720[43]

رہی یہ بات کہ امام مالک اس میں تازیست رد و بدل کرتے رہے اگر یہ بات درست فرض کر لی جائے تو پھر جن ستر علماء و فقہاء کو آپ نے یہ کتاب تبصرہ کے لیے دی تھی، وہ کب دی؟ ان ستر علماء و فقہاء کے تبصرہ کی صورت میں دیکھنے پر جتنا وقت صرف ہو سکتا ہے۔ اس کا اندازہ بھی آپ کر سکتے ہیں۔ پھر آپ تازیست اس میں رد و بدل کرتے رہے یہ بات ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ اس کتاب کی تیاری میں خواہ آپ نے چالیس سال بھی لگائے ہوں۔ جیسا کہ مشہور ہے کہ ابتداءً آپ نے دس ہزار احادیث کا انتخاب کیا لیکن ان کی جانچ پڑتال کا جتنا کڑا معیار تھا۔۔۔ اگر وہ دورانِ تالیف کتاب ہٰذا (130ھ تا 141ھ) ہر سال کانٹ چھانٹ بھی کرتے رہے ہوں تو ہر مصنف اور مولف یہی کچھ کرتا ہے۔ اس میں کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے[44]؟

سردار محمد عبد القیوم خان اس اعتراض کے ضمن میں منکرین کو آڑے ہوتھوں لیتے ہیں اور ان پر واضح کرتے ہیں کہ جب امام مالک مدینہ منورہ سے احادیث کو جمع کر کے ساتھ لاتے تو اُن کے ساتھ کم از کم پچیس اشخاص ساتھ ہوتے اور مدینہ منورہ کے رہنے والوں کا نام لے لے کر فرماتے کہ ان لوگوں نے ہم سے احادیث و سنن کو روایت کیا ہے۔ اگر امام مالک کی کسی بات میں صداقت نہ ہوتی تو کیا باقی ساتھ رہنے والے افراد نے غلط بیانی سے کام لیا ہوگا؟ کیا وہ اشخاص امام مالک کی تکذیب نہ کرتے؟ حالانکہ امام مالک کا طریقہ یہ تھا کہ جب احادیث مبارکہ کو جمع کر کے ساتھ لے جاتے تو جا کر ان احادیث کی نقلیں تیار کی جاتیں اور لوگوں تک پہنچایا جاتا تاکہ یہ سلسلہ احادیث زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچ سکے اور لوگ اس کو محفوظ رکھ سکیں۔ اور مسلمانوں کا یہ طرۂ امتیاز رہا ہے کہ اپنے اکابر کے آثار کو محفوظ رکھنا، ان کے کارناموں کو زندہ رکھنا، ان کی سوانح کو یاد رکھنا، اسی طرح زندہ قومیں اپنے بزرگوں اور بہادروں کے کارنامے اور شاعروں کے کلام کو باقی اور محفوظ رکھتی ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلم قوم جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی سب سے بہتر قوم قرار دیا ہے، اور وہ سب سے زیادہ علم دوست، محاسن و کمالات اور زریں خصوصیات کی حامل ہو تو اس نے اور زیادہ اپنے پیغمبر کی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ کو زیادہ سے زیادہ نہ پھیلایا ہو اور محفوظ کیا ہو۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ اگر منکرین کی بات مان ہی لی جائے تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ کسی فرد نے اللہ کے حکم کی اطاعت نہ کی ہو، نہ اسوۂ حسنہ پر عمل کیا ہو اور نہ ہی اتباع کی ہو۔ منکرین حدیث کی طرف سے یہ ایسا اعتراض ہے جو کہ عقلاً و نقلاً ناقابل قبول ہے[45]۔

کتابتِ حدیث کا انکار

منکرین حدیث کا ایک دعویٰ یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو اپنے فرامین تحریر کرنے سے منع فرما رکھا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں احادیث کو شرعی ماخذ کے طور پر تسلیم نہیں کیا جا سکتا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ:

"مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ نہ لکھو اور جس نے قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ لکھا وہ اسے مٹا دے،
مجھ سے حدیثیں بیان کیا کرو اور اس میں کوئی حرج نہیں، جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا

پس اس نے اپنا ٹھکانہ آگ میں تیار کر لیا[46]"۔

سردار صاحب اس پہلو پر زور دیتے ہیں کہ منکرینِ حدیث کا حدیث مبارکہ کے عنوان پر سب سے بڑا اعتراض یہی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے زمانے میں احادیث مبارکہ کو لکھنے اور جمع کرنے سے منع فرمایا تھا اور مزید یہ کہ آج دنیا میں لاکھوں حدیثیں موجود ہیں جب کہ عہدِ رسالت مآب ﷺ میں حدیثیں سرے سے لکھی ہی نہیں گئیں[47]۔

اعتراض کا تجزیہ

سردار عبدالقیوم اس اعتراض کے جواب لکھتے ہیں کہ اسی روایت کا مکمل حصہ دیکھا جائے تو اس میں ہی منکرین کے اعتراض کا جواب موجود ہے۔اس میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ بعد میں نبی اکرم ﷺ نے حدیث کی کتابت کی اجازت دے دی تھی لیکن:

> "حدیث مبارکہ میں سے کچھ حصہ بیان کر دینا کہ "مجھ سے حدیث بیان نہ کرو"، اور بقیہ حصہ چھوڑ دینا، یہ سراسر علمی و تحقیقی منافقت ہے[48]"۔

منکرینِ حدیث جہاں احادیث کے اعداد و شمار لاکھوں میں بتاتے ہیں (اگرچہ صحیح احادیث کی تعداد بمشکل دس ہزار ہے جب کہ باقی متابعات و شواہد ہیں) وہاں انہیں احادیث کو روایت کرنے والے ہزاروں بلکہ لاکھوں صحابہ نظر نہیں آتے۔ جو صرف احادیث کو روایت ہی نہیں کرتے بلکہ انہیں عملی زندگی میں نافذ کر کے انہیں حرزِ جان بنا لیتے ہیں۔ باعثِ حیرت ہے کہ یہ "مفکر" حضرات تاریخ پر تو کبھی تنقید نہیں کرتے حالانکہ تاریخی روایات میں محض چند افراد (مورخین) ہزاروں لاکھوں منتشر افراد کے مختلف اوقات و مقامات میں بکھرے ہوئے واقعات کو جمع کرتے ہیں جب کہ خود مورخین کے ذاتی کردار، حق گوئی، بے باکی یا حرص و بددیانتی کو بھی زیرِ بحث نہیں لایا جاتا۔ مگر اس کے باوجود تاریخ منکرینِ حدیث کی نظر میں قابلِ اعتماد ہے مگر سنت رسول ﷺ لائق اعتناء نہیں ہے"[49]۔؟

سردار عبدالقیوم شرح صدر سے کہتے ہیں کہ دیکھا جائے تو حضور ﷺ کے دورِ مبارکہ میں بھی احادیث کو قلم بند کیا جا تا رہا ہے۔ جن کی تعداد تقریباً دس ہزار کے قریب ہے۔ جو احادیث مبارکہ رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارکہ میں لکھی گئیں، اُن کو تین عنوانات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

1. ذخیرہ احادیث جو رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اور آپ ﷺ کی نگرانی میں ضبط تحریر میں لایا گیا۔ اس کے بھی دو حصے ہیں۔ ایک حصہ ایسی احادیث کا ہے جو آپ ﷺ نے حاکموں کو دینی امور میں اصولی ہدایات واحکامات کے طور پر قلمبند کروائیں۔ دوسرا حصہ مشاہدے اور خطوط کا ہے۔
2. وہ احادیث جو رسول ایم کی اجازت سے آپ مہم کی مجلس میں حاضر ہو کر صحابہ نے قلمبند کیں۔
3. وہ احادیث جو صحابہ نے مجلس نبوی میم میں خود سماعت کیں اور مجلس برخاست ہونے کے بعد تحریر کیں[50]۔

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں منکرینِ حدیث کے بے شمار اعتراضات خود ہی زائل ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ اعتراضات حقیقت پر مبنی ہوتے یا ان میں اخلاص ہوتا تو کتب احادیث میں سے جوابات مل جاتے کیونکہ احادیث و سیر کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ احادیث رسول کو صرف حافظہ پر نہیں چھوڑا گیا تھا، بلکہ ان کے لکھنے کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔

حضور کے عہد کا مکتوب ذخیرہ محفوظ ہے اور عقل عام رکھنے والا آدمی اندازہ کر سکتا ہے کہ کتابت حدیث کے متعلق آپ کا رویہ کیا تھا؟ عربوں میں کتابت سے جو توحش تھا نبی کریم اس سے بہت دور تھے۔ نبی کریم نے کتابت کو فروغ دینے کیلئے خصوصی توجہ دی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ قرآن مجید نے لکھنے پڑھنے کی اہمیت کا ذکر کیا، مثلاً حضور پر جو پہلی وحی نازل ہوئی اس میں لکھنے پڑھنے ہی کی ترغیب دی گئی تھی[51]۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر الزام

منکرین حدیث اپنے مقدمات میں اس روایت کو بھی پیش کرتے ہیں جس کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو حدیث روایت کرنے اور حدیث لکھنے سے منع کر دیا تھا[52]۔

نیز یہ مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کے تحریری نسخے ان سے لے لیے اور پھر ان کو نذر آتش کر دیا تھا[53]۔ اس طرح منکرین حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ڈھال بنا کر اس کے پیچھے اپنے آپ کو محفوظ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بعض مصنفین نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کتابت حدیث کی وجہ سے بعض صحابہ کرام کو محبوس بھی کر دیا تھا[54]۔

ایک روایت کے مطابق قرظہ بن کعب سے مروی ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے ہمیں عراق روانہ کیا تو خود مشایعت کو نکلے اور فرمایا تم ان کو حدیثوں میں نہ روک لینا کہ تم ان کو مشغول رکھو۔۔۔ وہاں جا کر قرظہ نے یہ کہہ کر حدیث روات کرنے سے انکار کر دیا کہ ہمیں حضرت عمرؓ نے حدیث بیان کرنے سے منع کر دیا ہے۔

اعتراض کا تجزیہ

حافظ ابن عبد البر نے اس روایت کو لکھنے کے بعد خود ہی فرما دیا ہے کہ یہ روایت صحت کے اعتبار سے مستحکم نہیں ہے۔ جس روایت کو نقل کرنے والا ہی اس کو غیر مستحکم قرار دے، اس کی بنیاد پر اپنا مقدمہ قائم کرنا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے جلیل القدر صحابی اور خلیفہ پر روایت و کتابت حدیث سے ممانعت کا الزام دھرنا کہاں کا انصاف ہے۔

اسی کتاب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک قول منقول ہے کہ عنقریب ایک ایسی قوم پیدا ہو گی جو تم سے قرآن کی متشابہ آیات سے جھگڑا کرے گی تو تم ان پر سنن کے ذریعے گرفت کرو۔ کیونکہ اہل السنن ہی اللہ عزوجل کی کتاب کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں[55]۔

مسلمان علماء نے اس اعتراض کے دیگر جوابات بھی دیے ہیں۔ مثلا:

- دارمی کے مطابق اس سے مراد محض غزوات کی خبریں ہیں[56]۔
- ابن عبد البر کے مطابق کثرت روایت کی مخالفت اور قلّت روایت کا حکم حضرت عمرؓ نے اس لئے دیا تھا کہ کثرت کی صورت میں آنحضرت ﷺ کی طرف غلط بات منسوب ہو جانے کا اندیشہ تھا اور یہ خوف بھی تھا کہ جو حدیثیں لوگوں کے پاس اچھی طرح محفوظ نہ ہوں اور حافظے پر بھی بھروسہ نہ ہو تو لوگ محض قول بیان کرنے میں جری ہو جائیں گے[57]۔
- شاہ ولی اللہ کا کہنا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف شمائل و عادات کی احادیث کے بارے میں یہ

روایہ اختیار کیا تھا[58]۔

- مولانا شبلی نعمانی کے مطابق حضرت عمر کا یہ طرز عمل جس احتیاط پسندانہ حکمت عملی پر مبنی تھا اس کا نتیجہ ہے کہ امت کے اندر قرآن وحدیث کے درمیان فرق نمایاں ہے۔ نیز قرآن کی حفاظت اور احادیث کی تنقیح و تعدیل بھی بنیادی طور پر حضرت عمرؓ کے طرز عمل کا نتیجہ تھا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ حضرت عمرض کا طرز عمل دراصل ہادی کونین کے عمل کا اتباع تھا، کیونکہ خود حضور حفاظت قرآن کے لئے بڑی کوشش کرتے تھے۔ حضرت معمر تو متن حدیث کو فقیہانہ اور محدثانہ نظر سے جانچا بھی کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرض کا امت مسلمہ پر یہ احسان ہے کہ انہوں نے کھرے اور کھوٹے، صحیح اور غلط کے درمیان تمیز کرنے کا قرینہ سکھایا، لیکن ان حضرات نے انہیں بھی منکر حدیث قرار دیا[59]۔
- ڈاکٹر خالد علوی لکھتے ہیں کہ میں نے ان اقوال کو بار بار پڑھا اور ان سے گہرا مطلب اخذ کرنے کی کوشش کی، لیکن مجھے ان تینوں اقوال میں سے ایسے کسی انکار حدیث کا کوئی سراغ ملانہ کسی قول سے مخالفت حدیث کی بو آئی، زیادہ سے زیادہ جو کچھ میر از من اخذ کر سکا یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ سب احتیاط اس لئے کی کہ کہیں قرآن وحدیث میں اختلاط نہ ہو جائے[60]۔

سردار عبد القیوم نے منکرین حدیث کے اس الزام پر اپنی کتاب میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ انھوں نے سب سے پہلے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مطابق نبی اکرم ﷺ کی احادیث اور سنن دین کا بنیادی ماخذ ہیں اور وہ ان کو من و عن تسلیم کرتے تھے۔ سردار صاحب نے اس ضمن میں وہ واقعہ پیش کیا ہے جس کے مطابق طاعون زدہ علاقے سے باہر نکلنے کی ممانعت ہے۔ حضرت عمر نے یہ روایت سن کر طاعون زدہ علاقے سے باہر جانے کا ارادہ ترک کر دیا تھا[61]۔

سردار صاحب نے قرظہ والی روایت پر یہ رائے دی ہے کہ اس میں حدیث کی حجیت کا انکار نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس میں احتیاط رہنے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ اس روایت میں تقلیل تقلیل کا مطلب ممانعت نہیں بلکہ احتیاط ہے۔ نیز اگر خدانخواستہ حضرت عمر کو حدیث کی روایت سرے سے پسند نہ ہوتی تو صراحتا حدیث روایت کرنے سے منع کر دیتے مگر یہ کیسے ممکن تھا جب رسول اللہ لی لیکم اور حضرت ابو بکر صدیق نے اس پر پابندی عائد نہ کی تو عمرہ کیسے پابندی عائد کر سکتے تھے۔ پابندی کا مطلب تو پھر قرآن کریم سے ہی انحراف کرتا تھا اور یہ کیسے ہو سکتا تھا۔ تاہم کثرت سے ممانعت میں دو چیزیں ملحوظ خاطر رہیں ایک یہ کہ کثرت روایت میں کذب کا احتمال تھا دوسرا یہ کہ آپ ہر قسم کی روایت کی کثرت سے منع نہیں فرماتے تھے بلکہ ایسی روایت کی کثرت سے منع فرماتے تھے جس کا تعلق سنن زوائد سے تھا[62]۔

صحابہ کرام میں سے عبد اللہ بن مسعود وغیرہ کو روایت حدیث کی بنا پر محبوس کرنے والی روایت کو سردار عبد القیوم نے ضعیف اور ناقابل حجت قرار دیا ہے۔ اس کے جواب میں وہ عمار بن یاسر اور عبد اللہ بن مسعور رضی اللہ عنھم کی روایت پیش کرتے ہیں کہ ان دونوں کو حضرت عمر نے معلم بنا کر کوفہ بھیجا تھا۔ یہ دونوں کثرت روایت کی بنا پر معروف تھے۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی کثرت روایت سے مسئلہ ہوتا تو وہ ان کو معلم بنا کر کوفہ میں کبھی نہ بھیجتے[63]۔

جہاں تک دوسرے صحابہ کے ساتھ روایت حدیث کے معاملہ میں سختی کرنے کا تعلق ہے تو حضرت عمر احتیاط کو مدنظر

رکھتے تاکہ رسول اللہ ﷺ جن کا ہر ارشاد امت کے لئے ابدی قانون کا درجہ رکھتا تھا، اس میں کوئی غلط روایت شامل نہ ہو جائے۔ اس بات کی تصدیق کئی واقعات سے ہوتی ہے[64]۔

احادیث کو جلانے والے مقدمہ کا جواب دینے سے قبل سردار عبد القیوم نے وہ واقعہ لکھا ہے جس کے مطابق حضرت عمر نے احادیث کی کتابت سے قبل صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو انھوں نے کہا کہ احادیث کو ضرور لکھنا چاہیے۔ اگر حضرت عمر احادیث کو جلانے کے درپے ہوتے تو کتابت حدیث کے لئے صحابہ سے اول تو مشورہ ہی نہ کرتے جب کہ صحابہ کا متفقہ طور پر کتابت حدیث کا مشورہ بھی اس عمل کے مستحسن ہونے کی دلیل ہے۔ پھر حضرت عمر کا خود استخارہ کرنا بھی اس امر کی دلیل ہے کہ آپ تذبذب کا شکار تھے شرعی لحاظ سے استخارہ ہمیشہ دو جائز شرعی امور میں کسی ایک امر کو اختیار کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرنا اور اس کے لئے غیبی راہنمائی اور یکسوئی کے لئے دعا کرنے کا نام ہے۔ البتہ حضرت عمرؓ کے دور میں جب بلا احتیاط احادیث کی روایت کی شکایت موصول ہوئیں تو آپ نے لوگوں سے احادیث منگوا کر جلادیں مگر اس سے جو نتیجہ منکرین اخذ کرتے ہیں علامہ ابن البر نے اس کی تردید کی اور اس نتیجہ کو بدعتی اور گمراہ کن فرقوں کی کارستانی قرار دیا ہے[65]۔

اس کے بعد سردار عبد القیوم نے حضرت عمر کی ان مساعی کی تفصیلات ذکر کی ہیں جن کا تعلق علمِ حدیث کی خدمات کے ساتھ وہ۔ اس کے اختتام پر وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ:

> " روایت حدیث میں حضرت عمر کا بلند مقام حضرت عمر نے صرف عمالان حکومت کو ہی تعلیم و اشاعت سنت کا پابند نہیں ظہرایا بلکہ خود بھی احادیث روایت کیں۔ ابن حزم نے جوامع السیر میں حضرت عمرؓ سے مروی احادیث کی تعداد پانچ سو لکھی ہے۔ علامہ شبلی نعمانی نے "الفاروق" میں حضرت عمر کی فن حدیث میں خدمات کو زیر بحث لاتے ہوئے لکھا ہے کہ: "اگر ان کی مرویات کی کانٹ چھانٹ بھی کر دی جائے تو بھی کم از کم ستر مرفوع روایات باقی رہ جاتی ہیں"۔ علامہ نے حضرت شاہ ولی اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عمر کی روایات ستر ہیں۔ شاہ صاحب کی تحقیق کے مطابق: " حضرت عمر نے قرآن کی تشریح و تعبیر اور احکام و مسائل کی وضاحت کے لئے حضور علم کے طرز عمل سے استدلال کیا ہے اور ایسے استدلالات کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ نیز یہ تمام فقیہانہ دور اندیشی اور محدثانہ جرح و تعدیل کے سانچوں سے نکلے ہوئے اقوال ہیں"۔ ان حقائق اور تجزیات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر سنت رسول علیم کے شیدائی تھے البتہ روایت میں خود بھی محتاط تھے اور دوسروں کو بھی احتیاط کی تلقین فرماتے تھے[66]"۔

منکرینِ حدیث پر سردار عبد القیوم کی تنقیدات

فتنہ انکار سنت میں سردار عبد القیوم نے منکرین حدیث کے فکری مناہج اور احادیث سے متعلق تشکیک کے حوالے سے سخت نقد پیش کر رکھا ہے۔ اس ضمن میں فتنہ انکار سنت کی تمام جلدوں میں متعدد شذرات منتشر ہیں۔ ان کو جمع کر کے یہاں پیش کیا جاتا ہے کیونکہ ان میں انکار حدیث کا مزاج رکھنے والوں کے فکری و عملی رجحانات کی خوب عکاسی ہوتی ہے۔

ان کا خیال ہے کہ انکار سنت کا یہ عمل مسلمانوں کی آئندہ نسلوں کو ان کے دین سے برگشتہ کر سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث و سنت اسلام کے دوسرے مآخذ کے طور پر مسلمانوں میں ہمیشہ مقبول رہی ہے۔ اس کا انکار شریعت اسلامیہ کے

ساتھ خیانت کے ساتھ ساتھ نبی اکرم ﷺ کے مقام و مرتبے کے انکار کے بھی مترادف ہے۔یہی وجہ ہے کہ سردار عبد القیوم کے مطابق منکرینِ قرآن و حدیث کا ایک نہایت باریک طریقہٗ واردات یہ بھی ہے کہ قرآن کریم نے جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے ساتھ مشروط کیا ہے اس مقام پر منکرین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے صرف یہ بیان فرمایا ہے کہ جو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرے گا پس تحقیق وہ اللہ کی اطاعت مانی جائے گی۔اس میں یہ بیان نہیں ہوا کہ جو رسول کی اطاعت نہیں کرے گا وہ اللہ کی بھی اطاعت نہیں مانی جائے گی۔یعنی کہ اگر رسول کی اطاعت ہو تو وہ اللہ کی اطاعت ہے اور اگر رسول کی اطاعت نہ کرے اور بلاواسطہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے تو وہ اطاعت قابلِ قبول تصور ہو جائے گی[67]۔

ان تمام حضرات کے انکار کا ایک ہی طریقہ ہے کہ حدیث میں نقص نکالتے ہیں تاکہ حدیث قابلِ عمل نہ رہے۔اس کو صرف حیوانی ذوق ہی کہا جاسکتا ہے جس کے ذریعے حدیث کو جھٹلاتے ہیں۔اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ خود کو دین پر چلانے کی بجائے دین کو اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہتے ہیں۔بقولِ اقبال:

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

جہاں کوئی بات اپنی مرضی اور پسند آئے اس پر عمل کر لیتے ہیں اور جہاں کوئی بات طبیعت پر ناگوار گزرے اور عمل کرنا پڑ جائے تو اس بیمار ذہنیت کے اندر فتور پیدا ہو جاتا ہے اور قرآن و حدیث پر اعتراضات کرنا شروع کر دیتے ہیں۔اس کے لیے قرآن مجید کی آیات کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے۔ان آیات کی تاویل و تفسیر کو اپنی مرضی سے بیان کیا جاتا ہے جس کے ذریعے ایسا تاثر پیش کیا جائے جس میں آپ کی شان میں تنقیص کا پہلو نمایاں ہو[68]۔

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اس بات کی اجازت دے دی جائے کہ ہر شخص اللہ کی کتاب کے معنیٰ و مفاہیم سے جو مرضی چاہے کھلواڑ کرتا رہے۔حالانکہ قرآن کریم، جو کہ اللہ کا پیغام ہے، جس پر عمل پیرا ہو کر انسان کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔جب ہر شخص اپنی من پسند تاویل کرنا شروع کر دے گا تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہر شخص اپنے دنیاوی فائدے اور نقصان کو پیش نظر رکھ کر آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر و تاویل کرے۔جو کہ حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشاء کے خلاف ہے[69]۔

منکرین کو انکار کی تمام قسمیں اور تمام باریکیاں کتنی اچھی طرح یاد ہیں جو مجھ جیسے ناکارہ آدمی کو کوشش کے باوجود سینکڑوں سالوں میں بھی یاد نہیں ہو سکتیں۔اس اعتبار سے دلچسپی، لگاؤ اور دشمنی و مخالفت کے ساتھ حافظے کا تعلق بہت گہرا ہے۔اس لحاظ سے اگر انصاف کی نظر سے دیکھیں تو کیا رسول ﷺ کے ساتھ محبت، لگاؤ اور وابستگی کا جو عالم نبی ﷺ کے ساتھیوں اور بعد کے اہل ایمان اور محبت کرنے والوں کا ہو گا، کیا وہ انسانی حافظوں کی وُسعتوں کو بیان کرنے کے لیے اور ان کو قابل اعتماد سمجھنے کے لیے کافی نہیں ہے[70]۔

علم کے ذرائع میں سے حدیث اور تاریخ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔اگر ان دونوں کا موازنہ کیا جائے تو حدیث مبارکہ میں زیادہ حصہ عبادات، معاملات اور اخلاقیات سے متعلق ہے اور اس کے ذریعے لاکھوں افراد رسول اللہ ﷺ کی اسوۂ حسنہ کے مطابق اپنی اپنی زندگیاں سنوارنے میں مصروفِ عمل ہیں۔راویانِ احادیث کی تعداد لاکھوں میں ہے جو صرف احادیث کو روایت ہی نہیں کرتے بلکہ اپنی عملی زندگی میں نافذ کر کے انہیں حرزِ جان بنا لیتے ہیں۔احادیث مبارکہ کی صحیح تعداد تو بمشکل دس ہزار کے قریب ہے جب کہ باقی متابعات و شواہد ہیں۔اس کے مقابل اگر تاریخ کے متعلق بغور جائزہ لیا جائے تو یہ محض قانونی نظائر اور

فقہی ضابطوں پر مشتمل ہے۔ جس کو چند مؤرخین نے ہزاروں لاکھوں منتشر افراد کے مختلف اوقات و مقامات میں بکھرتے ہوئے واقعات کو جمع کیا۔ منکرین حدیث نے کبھی بھی ان مؤرخین کے ذاتی کردار، حق گوئی، بے باکی یا حرص و بددیانتی کو زیر بحث نہیں لایا۔ اس کے باوجود منکرینِ حدیث کی نظر میں تاریخ صحیح ہے اور حدیث و سنت رسول ﷺ پر اعتراضات کرنے کو دوڑے دوڑے آتے ہیں۔ اس سے منکرین حدیث کے مقاصد مزید واضح ہو جاتے ہیں کہ یہ صرف اور صرف حضور ﷺ اور آپ کی تعلیمات پر ہی وار کرتے ہیں۔ ان کو بنیادی خدشہ و خطرہ احادیث مبارکہ سے ہی ہے[71]۔

بعض لوگوں میں یہ بیماری بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ خود کو عقلِ کُل سمجھ بیٹھتے ہیں۔ حالانکہ کسی بھی فن یا علم کی رمق بھی اُن کے پاس موجود نہیں ہوتی۔ اس کی بنیاد صرف اور صرف اکڑ پن اور مزاج میں تکبر کی علامت ہے۔ ایسا شخص اپنی زندگی میں کسی بھی جگہ بیٹھ جائے اپنی ذات کو برتر ثابت کرنے کی لایعنی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ خود کو عقلِ کُل سمجھنا، یہ ایک ایسی ذہنی بیماری ہے جو کہ انسان کی عزت کو بالکل ختم کر دیتی ہے اور ایسے بندے کے ساتھ کوئی بھی منہ لگانے کو تیار نہیں۔ قرآن و سنت کے منکرین ہمیشہ اپنی اسی عادت کی وجہ سے ہر جگہ بے عزتی سمیٹتے ہیں[72]۔

حدیث کا انکار کرنے والے حقیقتاً قرآن پر اعتراض کر رہے ہوتے ہیں۔ ان کا بنیادی مقصد قرآن کریم کی تعلیمات میں شک پیدا کرنا ہے[73]۔

سنت کا انکار کرنے والے بندے کا کردار ہمیشہ بے ادب ہوتا ہے۔ اس کی بنیادی وجوہات میں سے ایک یہ ہے کہ ایسے شخص کی تربیت میں یقیناً کہیں نہ کہیں کمی رہ گئی ہوتی ہے۔ اگر قرآن کریم کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے بھی ایسے نفوس کی حقیقتِ حال کو عیاں کرنے کے لیے متعدد جگہوں پر سرزنش کرتے ہوئے اُن کے احوال کو کھلے الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ ایسے شخص کی زندگی میں کہیں نہ کہیں کمی رہ گئی ہوتی ہے۔ اس سے مراد گھریلو ماحول، تعلیمی ماحول، معاشرتی ماحول اور خاندانی ماحول میں ایسے شخص کے ساتھ کچھ نہ کچھ ایسے معاملات گزرے ہوتے ہیں جو کہ ذہنی طور پر اذیت کا باعث بنتے ہیں۔ اس اذیت کو کم کرنے اور اپنے ذہن کو تسکین دینے کے لیے کسی نہ کسی طور پر خرابی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور جب اذیت حد سے بڑھ کر ذہن میں یاد کی صورت میں موجود ہو تو انسان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف کسی نہ کسی صورت میں ہرزہ سرائی پر اُتر آتا ہے[74]۔

منکرینِ حدیث کی چالبازیوں میں سے ایک چال یہ بھی ہے کہ احادیث مبارکہ اور اس کے راویوں پر اعتبار کرنے کی بجائے کتب تاریخ میں سے اسلام ڈھونڈنا شروع کر دیا۔ حالانکہ حدیث مبارکہ کی جانچ و پرکھ میں جتنی احتیاط راویانِ حدیث کے متعلق برتی گئی اور اُن کی زندگیوں کے متعلق تحقیق و جستجو کی گئی اُتنی احتیاط اور تحقیق و جستجو تاریخ دانوں کی زندگیوں کے متعلق سامنے نہیں آئی۔ منکرینِ حدیث کا احادیث مبارکہ پر اعتماد کرنے کی بجائے کتب تاریخ پر اعتماد کرنا اس لیے ضروری سمجھا گیا تاکہ دینِ اسلام کی تعلیمات میں سے نقص نکالنا ممکن ہو سکے۔ مزید یہ کہ تاریخ دانوں نے جیسا چاہا تاریخ کو مرتب کر دیا۔ اس کے سچا یا جھوٹے ہونے کی تحقیق کم ہی کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ منکرینِ حدیث کا جھکاؤ کتب تاریخ پر زیادہ ہے۔ اسی تاریخ کی کتابوں میں سے رطب و یابس نکال کر دینِ اسلام کی تعلیمات پر اعتراض کرنا منکرینِ حدیث کے لیے نہایت آسان ہے۔ جب مصادرِ اولین موجود ہوں تو اس کے بعد والے مصادر میں سے کیسے کسی حکم کے متعلق بیان کیا جا سکتا ہے[75]۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ سے کسی شخص نے پوچھا کہ آپ قرآن کریم کو الہامی کتاب کیوں مانتے ہیں تو آپ رحمۃ اللہ علیہ

نے فرمایا: اس لیے کہ اس کو دنیا کے ایک ثابت شدہ سچے شخص نے بیان فرمایا ہے[76]۔

کوئی بھی کام عقلی طور پر بظاہر جتنا بھی اچھا دکھائی دے، حقیقتاً وہ زہرِ قاتل ہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ سانپ جتنا بھی خوبصورت ہو اس کا زہر حقیقت میں زہر ہی ہوتا ہے، اس سے جو بھی دھوکا کھائے گا وہ یقیناً نقصان ہی اُٹھائے گا[77]۔

ہمارے ہاں مغرب زدہ لوگوں کے نزدیک صرف ترجمہ ہی پڑھنے کا عام پراپیگنڈا ہو رہا تھا کہ یہی قرآن ہے۔ عجیب تر یہ ہے کہ اس دور میں بھی وہ کوششیں زیادہ بہتر انداز میں کی جا رہی ہیں۔ اس پراپیگنڈے سے دُنیا کا کوئی گوشہ محفوظ نہیں تھا۔ لاہور میں تو ایک سینئر بیوروکریٹ نے بر سرِ عام نماز بھی اُردو میں پڑھانا شروع کر دی تھی۔ اگر لاہور کے بعض لوگ سختی نہ کرتے تو چند گمراہ لوگ مل کر اُردو میں نماز پڑھنے لگتے اور پھر ایسے کمزور عقیدہ لوگوں کی کمی نہیں تھی جو اسی راہ پر چل پڑتے۔ کمال اتاترک نے تو حروف ہی بدل کر انگریزی رسم الخط رائج کر دیا تھا۔ اس کی گمراہی میں تو کوئی بھی کلام نہیں ہے۔ اس لئے اس کی مثال نہیں دی جاسکتی[78]۔

منکرینِ قرآن و سنت کے اندر اس بات کی ہمت اور طاقت تو نہیں کہ قرآن و سنت کو تبدیل کر سکیں۔ مگر اپنی انا کی تسکین کے لیے یہی کام قرآن و سنت کے تراجم اور معنیٰ و مفہوم کی تبدیلی کے ذریعے ممکن بنا رہے ہیں۔ یعنی قرآن کریم کے مختلف تراجم کو سامنے رکھتے ہوئے اُن کے معنیٰ و مفہوم میں تبدیلی کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اور شخصیت پرستی کے ناسور نے اس کام کو مزید آسان کر دیا ہے۔ نعوذ باللہ، خاکم بدہن اگر قرآن کریم کے عربی متن کو ایک سائیڈ پر رکھ دیا جائے تو تھوڑا عرصہ گزرنے کے بعد یہ کہنا بجا ہوگا کہ یہ پیر کرم شاہ والا قرآن ہے۔ یہ مودودی صاحب والا قرآن ہے۔ یہ طاہر القادری والا قرآن ہے۔ یہ فلاں یہ فلاں کا قرآن ہے۔ یعنی قرآن کریم کے ان تراجم کو سامنے رکھ کر غلطیاں نکالی جا رہی ہوں گی اور یہ ثابت کیا جا رہا ہو گا کہ دیکھیں قرآن میں تحریف ہو گئی ہے۔ بالکل ایسا ہی جیسا انجیل کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ متی کی انجیل ہے۔ یہ لُوقا کی انجیل ہے۔ یہ مرقس کی انجیل ہے۔ اگر قرآن کریم کے متعلق تحریفات کو ثابت کر دیا گیا تو اس کے بعد احادیث کے ذخیرے کے متعلق بھی یہی کہنا نہایت آسان ہو جائے گا۔ حال ہی میں الفرقان نامی ویب سائٹ بنا کر قرآن کریم کے متعدد لفظوں کی تحریف کر دی گئی، اور یہ کام اپنے عروج کی طرف بڑھ رہا ہے[79]۔

حال ہی میں ایک شخص نے مجھے قرآن کریم کا ایک نسخہ لا کر دیا۔ دیکھا تو وہ عربی والا نسخہ ہے جس کا ترجمہ بھی ساتھ ہے۔ مترجم کا نام تلاش کیا کہ وہ کس کا ترجمہ ہے لیکن معلوم نہ ہو سکا۔ لانے والے سے دریافت کیا تو وہ بھی پریشان ہو گیا۔ لیکن مجھے یقین ہو گیا کہ یہ وہی انکار والوں کی خیانت ہے۔ ورنہ ایسا کوئی ترجمہ نہیں جس کے مترجم کا علم نہ ہو۔ غالباً اسی طرح کا ترجمہ آج کل مفت تقسیم کیا جا رہا ہے۔ ظلم یہ ہے کہ محض خالی ترجمہ کو ہی قرآن بنایا جا رہا ہے اور وہ بھی سرکاری سطح سے۔ ایک طرف تو اس پر زور دیا جاتا ہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ ضرور پڑھا جائے تو دوسری طرف عین تجارتی اُصول کے تحت جب مانگ پیدا ہو جائے تو پھر وہ جنس بھی دستیاب کر دی جائے[80]۔

منکرینِ قرآن کی چال بازیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایسے الفاظ جو قرآن کریم میں بار بار دہرائے جا رہے ہیں ان کو ختم کر دیا جائے۔ جیسا کہ چار سورتیں جو لفظ "قُل" سے شروع ہو رہی ہیں ان کی ابتداء سے لفظِ "قُل" کو ختم کر دیا جائے۔ تا کہ قرآن میں تکرار باقی نہ رہے۔ بات یہاں تک ہی نہیں رُکی بلکہ اس سے آگے بڑھتے ہوئے یہ بھی کہا گیا کہ قرآن کریم میں جو

واقعات بار بار ذکر کئے گئے اُن کو بھی ختم کر کے ایک ایسی کتاب تیار کی جائے جس میں کوئی بھی لفظ یا واقعہ صرف ایک بار ذکر کیا گیا ہو۔ جیسا کہ فرعون کا واقعہ۔ یعنی قرآن پاک کی تحریف کی جانب ذہن کو دھکیلا جا رہا ہے۔ بات مزید آگے بڑھی تو یہ کہا گیا کہ دیکھیں جیسے احادیث کے مجموعہ صحیح بخاری میں سے جو احادیث بار بار ذکر کی گئی تھیں ان کو ایک بار لکھ کر کتاب کی ضخامت کو کم کر دیا گیا اور تجرید البخاری نام رکھا گیا۔ یہی حال قرآن کریم کے ساتھ بھی کرنا مقصود ہے[81]۔

ایسے طرزِ فکر رکھنے والے لوگوں نے یقیناً اپنے لیے ایسا صحیفہ مرتب کر لیا ہو جس میں تکرار اور تضادات نہ ہوں اور جو عام فہم اور ملکی زبانوں میں ہو۔ اس لیے کہ ان کی طرزِ فکر سے بالکل ایسا ہی نتیجہ نکلتا ہے۔ اس گمراہی نشانہ ایسے لوگ بآسانی بن جاتے ہیں جو معاشرتی اور سماجی اعتبار سے اچھے مرتبے پر فائز ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ اسلام کے بتائے ہوئے ارکان کی ادائیگی اُن کے لیے نہایت مشکل ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ایسے لوگ سہل پسندی کی طرف مائل ہوتے ہیں اور ظاہری سی بات ہے کہ جب اونچے مرتبے والے لوگ ایسا کریں گے تو ان کے ماتحت بھی اُن کی دیکھا دیکھی ایسا طوعاً و کرھاً کرنا شروع کر دیں گے[82]۔

اکابر علماء سے میری درخواست یہ بھی ہے کہ عام آدمی کو سمجھانے کی غرض سے دین کو آسان بنانے کی دراصل ضرورت ہی نہیں ہے۔ وہ پہلے ہی اللہ نے آسان کر دیا کہ جس کو اُٹھانے سے پہاڑوں نے بھی معذرت کا اظہار کیا تھا۔ میں یہ بات اس لئے کہہ رہا ہوں کہ میں نے خود تجربہ کیا اور آئے دن دوسروں کو بھی دیکھتا ہوں کہ اگرچہ وہ نیک نیتی سے دین کے کسی نہ کسی حصہ پر عمل کر رہے ہوتے ہیں مگر ان کا وہ عمل دین کی اصل سے دور ایک تحلیل شدہ شکل دکھائی دیتا ہے[83]۔

حالانکہ ذہن میں یہ بات رکھی جاتی تو کبھی بھی ایسا کام نہ کیا جاتا کہ اگر ایک حدیث متعدد جگہوں پر ذکر کی گئی ہے تو بار بار پڑھنے سے ایمان بڑھتا ہے اور مضبوط ہوتا ہے۔ مگر اس بات کو ملحوظ نہ رکھا گیا۔ منکرین کا، یہی حال قرآن کے ساتھ بھی کرنا مقصود ہے۔ اور یہ کام انتہائی معصومانہ انداز میں کیا جا رہا ہے۔ جیسے سابقہ کتب کے ساتھ تحریفات کا سلسلہ جاری رکھا گیا تھا۔ اور موجودہ زمانے میں ان کی تحریف شدہ حالت موجود ہے۔ اسی طرح نعوذ باللہ قرآن و سنت کے ساتھ بھی سوچا سمجھا منصوبہ سمجھ میں آتا ہے کہ جس کے تحت قرآن و سنت میں تحریفات کر کے حقیقت اور منشائے الٰہیہ کو چھپایا جا سکے۔ یہ حقیقت میں ایسے لوگوں کا منصوبہ محسوس ہوتا ہے جو کہ اللہ کو ہی نہیں مانتے اور دہریہ طرزِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور دوسرا خیال یہ ہے کہ ایسے لوگ منافقین سے تعلق رکھتے ہیں جنھوں نے اسلام سے قبل عیسائیت اور یہودیت کی کتب سماویہ کو بھی تحریف کے ذریعے ختم کر دیا اور تحریف شدہ کتب کو معاشرے میں پھیلا دیا تاکہ مخلوقِ خدا کو حقیقی پیغامِ خداوندی سے روکا جا سکے[84]۔

منکرین کو یہ بات سمجھ میں آجائے، اس کا احساس ہو جائے اور اگر ان کا دل گواہی دے کہ واقعی ہمارے لیے دین رسول اللہ ﷺ پر عمل کرنا مشکل ہو رہا ہے تو اس کا آسان حل یہ ہے کہ وہ سچی توبہ کریں اور پھر دیکھیں کہ ان کے لئے دین پر چلنا آسان ہے یا نہیں۔ جو لوگ بھی دین رسول اللہ پر عمل کرتے ہیں میں نے کسی ایک کو نہیں دیکھا کہ اس کا راستہ رُک گیا ہو۔ شرط وہی ہے کہ اخلاص مندی کے ساتھ توبہ کرتا رہے اور دین پر عمل کرنے کی کوشش جاری رکھے[85]۔

منکرین جب محدثین کے وضع کردہ اصولوں کو اپنی آزاد خیالی کے باعث نظر انداز کرتے ہوئے احادیث قبول کرنے سے متعلق اپنے من پسند اصول وضع کرتے ہیں تو اس پر اتفاق کرتے ہیں کہ اگر کوئی حدیث قرآن کے خلاف نہیں ہے تو جس نے بھی روایت کی ہے قابل قبول ہے۔ یہ ایسا عذر ہے جو خود قرآن کریم اور حدیث و سنت ہر چیز کی سختی کرتا ہے۔ اسی کا بہانہ بنا کر لوگوں

نے سنتِ رسول ﷺ ترک کرنی شروع کی۔اس کا مطلب تو یہ ہے کہ ہر شخص پہلے صدی دوصدی لگا کر قرآن کا علم حاصل کرنے کی کوشش کرے پھر عمل کرے جو ناممکن ہے[86]۔

خلاصہ و نتائج

سردار عبدالقیوم نے اپنی زندگی کے تیس برس حجیت حدیث اور منکرین حدیث سے متعلق مطالعہ میں صرف کرنے کے بعد پانچ جلدوں پر مشتمل "فتنہ انکار سنت" کتاب تحریری کی ہے۔اس کتاب کی پہلی اور چوتھی جلدوں میں منکرین حدیث کے افکار اور ان کے فکری رجحانات کا ناقدانہ جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ سردار عبدالقیوم نے تاریخ تدوین حدیث، حجیت حدیث، منکرین حدیث کے اعتراضات کے جوابات اور اس فتنہ کی سرکوبی وسد باب کے حالے سے تفصیلات پیش کرر کھی ہیں۔انھوں نے نئ نسل اور علماء، دونوں کو اس جانب توجہ مبذول کرنے اور اس کا علمی محاذ پر سامنا کرنے کی ترغیب دی ہے۔اس ضمن میں انھوں نے ایسی کتابوں کی طرف بھی توجہ مبذول کروائی ہے جو اس فتنہ کے خلاف فکری محاذ پر مصروف مبلغین کے لیے استفادے کے لیے مفید ہیں۔

سفارشات

سردار محمد عبدلقیوم خان کی کتاب "فتنہ انکار سنت" اہم اور مفید معلومات پر مشتمل ہے۔ محققین کے لیے اس کتاب کے ضمن میں متعدد پہلوؤں پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

کتاب کی تمام جلدوں کے حالیہ نسخوں میں احادیث کی تخریج نہیں ہوئی ہے۔اس کے علاوہ کتاب میں موجود آثار و روایات اور علماء کے اقوال و شذرات کے حوالہ جات بھی نقل نہیں کیے گئے ہیں۔ ان احادیث، روایات، آثار اور شذرات کی تحقیق و تخریج کی جانی چاہیے۔

سردار عبدالقیوم نے دوسری اور پانچویں جلدوں میں آیات کی ایک بہت بڑی تعداد جمع کی ہے جن کے فہم کے لیے احادیث کی طرف رجوع کرنا ناگزیر۔ان دونوں جلدوں کی مدد سے ایک ایسی ضخیم کتاب لکھی جانی چاہیے جو سردار عبدالقیوم کے موقف کی توضیح و تفصیل پر مشتمل ہو۔اس کتاب میں سردار عبدالقیوم کی پیش کردہ آیات کا احادیث اور آثار صحیحہ کے ساتھ ربط واضح کیا جانا چاہیے۔

سردار عبدالقیوم خان نے بعض افراد کے حوالے سے کتاب میں واقعات درج کر رکھے ہیں۔ان افراد کے نام ذکر نہیں کیے ہیں۔اس کے پیچھے سردار عبدالقیوم کی ضرور کوئی نہ کوئی حکمت مضمر تھی۔اگر کوئی محقق ان افراد کا سراغ لگا کر ان کے نام سامنے لے آئے تو یہ بھی ایک اہم کام ہو سکتا ہے۔

کتاب میں بض مقالات پر ٹائپنگ کی اغلاط ہیں۔پانچوں جلدوں کا بغور مطالعہ کرتے ہوئے ان اغلاط کی نشاندہی کرنے کے بعد اگلے نسخہ میں ان کی تصحیح کر دی جائے تو یہ سقم دور ہو سکتا ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات (References)

1 سردار محمد عبدالقیوم خان، فتنۂ انکار سنت، صدیقیہ پبلی کیشنز، فیصل آباد، (2014)، ج1، ص13،14

2 ایضاً، ص14،15

3 ایضاً، ص17

4 ایضاً، ص16

5 ایضاً، ص18

6 ایضاً، ص69

7 ایضا، ص69

8 ایضاً، ص47

9 ایضا، 48،49

10 ایضا، ص107

11 ایضا، ص227

12 سردار محمد عبدالقیوم خان، فتنۂ انکار سنت، صدیقیہ پبلی کیشنز، فیصل آباد، (2014ء)، ج4، ص25

13 فتنہ انکار حدیث، ج1، ص19

14 نیاز فتح پوری، من ویزداں، آواز اشاعت گھر، اردو بازار، لاہور، (س-ن)، ص336

15 غلام احمد پرویز، مقام حدیث، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، (2007ء)، ج1، ص4

16 اسلم جیراجپوری، تعلیمات قرآن، علمی کتب خانہ، لاہور، (1952ء) ص188

17 فتنہ انکار سنت، ج1، ص110

18 عبدالرحمٰن کیلانی، آئینۂ پرویزیت، مکتبۃ السلام، لاہور، (2004ء)، ص237،238

19 تفصیل کے لیے دیکھیے: مولانا عبدالستار الحماد، حجیت حدیث، دارالسلام، اہور، (1428ھ)، ص66

20 من ویزداں، ص313

21 فتنہ انکار سنت، ج1، ص122 تا، 133

22 ایضاً، ج1 ص33، ص132، ص187

23 آئینہ پرویزیت، ص623

24 فتنۂ انکار سنت، ج4، ص16

25 حجیت حدیث، ص71

26 فتنہ انکار سنت، ج1، ص34

[27] حبیب الرحمٰن کاندھلوی، مذہبی داستانیں اور اُن کی حقیقت،، الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ، کراچی، (1995ء)، حصہ دوم، ص 14

[28] من ویزداں، ص 350

[29] آئینہ پرویزیت، ص 509

[30] فتنہ انکار سنت، ج 1، ص 147

[31] ارشاد الحق اثری، پرویزی تشکیک کا علمی محاسبہ، ادارۃ العلوم الاثریہ، فیصل آباد، (2007ء)، ص 82

[32] فتنہ انکار سنت، ج 4، ص 73

[33] النحل: 89

[34] فتنہ انکار سنت، ج 1، ص 223

[35] چراغ علی، تحقیق الجہاد، مکتبہ رفاہ عامہ، لاہور، (1912ء، 1913ء)، ص 224

[36] النحل: 89

[37] آئینہ پرویزیت، ص 563 تا 565

[38] فتنہ انکار سنت، ج 1،، ص 177

[39] ایضاً،، ج 4، ص 12

[40] اس بحث کی تفصیل کے لیے دیکھیے: فتنہ انکار سنت، ج 1، ص 70 تا 80

[41] ایضاً، ج 1، ص 179

[42] فتنہ انکار سنت، ج 1، ص 139

[43] تاریخ حدیث و محدثین، محمد محمد ابوزہرہ، مترجم: غلام احمد حریری، ناشر: مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س ن، ص 331

[44] آئینہ پرویزیت، ص 502،503

[45] ایضاً، ج 1، ص 220

[46] ایضاً، ج 4، ص 91

[47] ایضاً، ج 4، ص 105

[48] ایضاً، ج 4، ص 91

[49] ایضاً، ج 4، ص 73

[50] ان میں عبد اللہ بن عباس، انس بن مالک، عبد اللہ بن عمرو، جابر بن عبد اللہ، سمرہ بن جندب، عبد اللہ بن ابی اوفی اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنھم کے صحائف شامل ہیں۔ (حفاظتِ حدیث، ص 113 تا 131)

[51] ڈاکٹر خالد علوی، حفاظت حدیث، الفیصل، لاہور، (2018ء) ص 92

[52] محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، طبع لائیڈن، (1918ء) ج 6، ص 7

[53] ابن عبد البر، جامع البیان العلم وفضلہ، دار ابن الجوزی، دار الکتب العلمیہ بیروت،، (1994ء)، ج1، ص64

[54] جامع البیان العلم وفضلہ، ج2، ص96۔ فتنہ انکار سنت، ج4، ص132

[55] جامع البیان العلم، ج2، ص123

[56] سنن دارمی، مقدمہ، طبع مصر، ج2، ص85

[57] جامع البیان العلم، ج2، ص120،119

[58] ازالۃ الخفاء، ج2، ص141

[59] شبلی نعمانی، الفاروق، دار الاشاعت، کراچی، (1991ء)، ص334 تا 337

[60] حفاظت حدیث، ص157

[61] فتنہ انکار سنت، ج1، ص113

[62] ایضاً، ج4، ص131

[63] ایضاً، ج4، ص133

[64] ایضاً، ج4، ص134

[65] ایضاً، ج4، ص135

[66] ایضاً، ج4، ص138

[67] ایضاً، ج1، ص110

[68] ایضاً، ج1، ص281 اور 291

[69] ایضاً، ج1، ص32

[70] ایضاً، ج1، ص147

[71] ایضاً، ج4، ص74

[72] ایضاً، ج1، ص76

[73] ایضاً، ج1، ص178

[74] ایضاً، ج1، ص90

[75] ایضاً، ج1، ص214 تا 216

[76] ایضاً، ج1، ص267

[77] ایضاً، ج1، ص271

[78] ایضاً، ج4، ص17

[79] ایضاً، ج4، ص16،17

[80] ایضاً، ج4، ص19

[81] ایضاً، ج4، ص20تا22

[82] ایضاً، ج4، ص28تا30

[83] ایضاً، ج4، ص23

[84] ایضاً، ج4، ص25

[85] ایضاً، ج4، ص24

[86] ایضاً، ج4، ص77